مجلس ادارت

۱- مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ۲- ڈاکٹر نذیر احمد علی گڑھ

۳- مولانا ضیاء الدین اصلاحی ۴- سید صباح الدین عبدالرحمن

بریدِ فرنگ

سنہ ۱۹۲۰ء میں علامہ سید سلیمان ندویؒ نے مولانا محمد علی وغیرہ کے ساتھ وفد خلافت کے ایک رکن اور جمعیۃ علماء خصوصاً مولانا عبدالباری فرنگی محلی کے نمایندہ کی حیثیت سے مسئلۂ خلافت پر اس دور کے برطانوی وزیر اعظم مسٹر لائڈ جارج سے گفتگو کرنے اور ترکوں کے حق میں فیصلہ کے لئے لندن کا سفر کیا تھا، اور اسی ضمن میں وہ فرانس، اٹلی وغیرہ بھی آتے جاتے رہے، ان تمام مقامات سے ہندوستان کے جن بزرگوں، دوستوں، اور عزیزوں کے نام انھوں نے جو خطوط لکھے تھے، وہ اس میں جمع کر دیئے گئے ہیں، اس کا پہلا اڈیشن خود سید صاحب کی زندگی میں ان کے پیش لفظ کے ساتھ ان کے اشاعتی ادارہ مکتبۃ الشرق کراچی سے شائع ہوا تھا، ایک عرصہ کے بعد بیس سے اس کا دوسرا اڈیشن مولانا فضل ربی ندوی نے شائع کیا، اسی دوسرے اڈیشن کا عکسی اڈیشن دارالمصنفین نے اپنے مطبع معارف میں چھپوا کر شائع کیا ہے،

اس میں اس دور کی پوری دنیائے اسلام کے سیاسی و اجتماعی حالات، مسلمانوں کے سیاسی مسائل اور ہر اسلامی ملک کے مسلمان اکابر و مشاہیر کی دلچسپ ملاقاتوں کی تفصیل بھی آگئی ہے، اس دور کی اسلامی سیاست کو سمجھنے کے لئے اس کا مطالعہ بہت ضروری ہے،

قیمت:- .. ۱۷ روپے،

جلد ۱۳۷ ماہ رمضان المبارک سنہ ۱۴۰۶ھ مطابق ماہ مئی سنہ ۱۹۸۶ء عدد ۵

مضامین

مقالات

اسلامیات

اور

مغربی مستشرقین اور مسلمان مصنفین

مولانا ابوالحسن علی ندوی نے اسلام اور مستشرقین کے موضوع پر ہونے والے بین الاقوامی سمینار میں اس موضوع پر عربی میں ایک عالمانہ و فاضلانہ مقالہ پڑھا تھا، یہ اسی کا مزید اضافوں کے ساتھ اردو میں نہایت شگفتہ ترجمہ ہے، جس میں اسلامی علوم و فنون سے متعلق مغربی مستشرقین، اور مسلمان مصنفین کے تحقیقی کاموں کا جائزہ لیا گیا ہے۔

قیمت:- ۶ روپیے۔

شذرات

اترپردیش میں بابری مسجد کا تنازعہ جاری ہے، اس کی واگذاشت کے لیے مسلمانوں نے ۳۰ اپریل کو بڑے پیمانے پر اپنے کو گرفتاریوں کے لیے پیش کیا، اس سلسلہ میں بارہ بنکی میں گولیاں بھی چلیں، جہاں سرکاری رپورٹ کے مطابق پندرہ آدمی جاں بحق ہوئے، جو بڑا ہی دردناک واقعہ ہے۔

یہ راقم پہلے کی طرح پھر لکھتا ہے کہ اگر مستند معاصر ماخذوں سے یہ ثابت کر دیا جائے . . . کہ بابری مسجد رام جنم بھومی کو منہدم کر کے بنائی گئی تو پھر مسلمانوں کو یہ مسجد خود مسمار کر دینا چاہیے۔ مگر کوئی مورخ یہ ثابت نہیں کر سکتا، بعض حلقے میں یہ دعویٰ کیا گیا کہ بابر کی تزک میں رام جنم بھومی کے انہدام کا ذکر ہے، لیکن پورے وثوق کے ساتھ یہ کہا جا سکتا ہے، کہ اس میں ایسا کوئی ذکر نہیں، خیال تھا کہ اس کے انگریزی ترجمہ بابر نامہ میں مسز اے۔ ایس۔ بیورج نے بھی اپنے تعلیقات میں اس انہدام کا ذکر نہیں کیا ہو۔ مگر اس کے مزید مطالعہ سے معلوم ہوا کہ بابر کی تزک میں تو نہیں مگر مسز بیورج نے اپنے حواشی میں نظر سے چوک جانے والے خفی حروف میں اپنی طرف سے دو جگہوں پر اس کا مبہم مغالطہ آمیز اور گمراہ کن ذکر کیا ہے، بابر نامہ کے صفحہ ۶۵۶ کے حواشی کے بیچ میں ہے کہ فیض آباد کے ڈی۔ جی۔ نیول کا بیان ہے کہ ۱۵۲۸ء میں بابر اجودھیا آیا، ایک ہفتہ یہاں ٹھہرا، اس نے یہاں کے قدیم مندر کو (جو رام کی پیدائش کی جگہ تھی)، منہدم کیا، اور اس کی جگہ پر ایک مسجد بنوائی، جو اب تک بابری مسجد کے نام سے بتائی جاتی ہے۔ اس پر دو کتبات ہیں، ایک باہر اور ایک منبر پر، دونوں فارسی میں ہیں، اور دونوں میں ۹۳۵ھ درج ہے۔ یہ تاریخ عمارت کی تکمیل کی ہو سکتی ہے۔

مسز بیورج نے ڈی۔ جی۔ نیول کا بیان تو نقل کر دیا ہے، مگر ان کی تحقیق اور دانشوری کا تقاضا تو یہ تھا کہ وہ یہ جاننے کی کوشش کرتیں کہ مسٹر نیول کو کس ماخذ کے ذریعہ سے یہ معلوم ہوا کہ بابر نے قدیم مندر کو توڑ کر اس کی جگہ پر مسجد بنوائی خصوصاً جب بابر نامہ میں اس کا کہیں ذکر نہیں، نیول کا بیان ہے کہ بابر نے ایک قدیم مندر کو منہدم کیا، ان کو اس کا نام تو معلوم نہ ہو سکا تھا، اور کیسے معلوم ہوتا جب وہ کسی حوالہ کے بغیر اپنی طرف سے لکھ رہے تھے، اس لیے بریکٹ میں اپنی طرف سے رام کی پیدائش کی جگہ لکھ دی، بریکٹ میں لکھنے کے معنی یہ ہیں کہ ان کو خود یقین نہ تھا کہ یہ رام کی پیدائش کی جگہ تھی، مگر اپنی سامراجی شرانگیزی میں یہ فتنہ بپا کرنے کی کوشش کی۔

مسز بیورج اپنے ضمیمہ ۱۱ (یو) میں بابری مسجد کے کتبے کو نقل کرتی ہیں مگر ان اشعار سے یہ ثابت نہیں کر سکیں کہ یہ مسجد رام جنم بھومی کو مسمار کر کے بنائی گئی تو اپنے حواشی کو ایک چور دروازہ بنا کر ان میں یہ لکھ گئیں۔

Presumably the order of the mosque was given during Babur's stay in Aud (Ajodhaya) in 934 A. H. at which time he would be impressed by the dignity and sanctity of the ancient Hindu shrine it (at least in part) displaced (?) and like the obedient follower of Muhammad he was in intolerance of Faith would regard the substitution of a temple by mosque as dutiful and worthy. The mospue was founded in 935 A. H. but no mention of its completion is made in

Baburnama : The Diary for 935 A. H. has many minor lacunae, that of the year 934 A. H. has lost much matter breakig off when the account of Aud might be looked (P.LXXVI)

اس گنجلک، اور پرپیچ عبارت میں جو کچھ لکھا گیا ہے، وہ سب قیاسات پر مبنی ہیں، ان میں کوئی تحقیق نہیں، اسی لئے تحریر Presumably (قیاساً) کے لفظ سے شروع ہوتی ہے جو تحقیق کا لفظ نہیں، بابر کا اجودھیا آنا یقینی نہیں، اس لئے اودھ کے ساتھ بریکٹ میں اجودھیا لکھ دیا گیا ہے، اودھ اب بھی ایک خاص خطہ کے لئے استعمال کیا جاتا ہے، صرف اجودھیا کے لیے نہیں کیا جاتا، پھر یہ بھی قیاساً لکھا گیا ہے کہ بابر یہاں کے ایک مندر یا کم از کم اس کے ایک حصہ کے رتبہ اور تقدس سے متاثر ہوا ہوگا، پھر صریحاً متعصبانہ جھوٹ سے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی گئی ہے، کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم دوسرے مذاہب کی عبادت گاہوں کو منہدم کر دیا کرتے تھے، بابر آپؐ کا ایک فرمانبردار پیرو بن کر عدم رواداری ہو گیا۔ اس نے خیال کیا ہوگا کہ ایک مندر کی جگہ پر ایک مسجد بنا کر اپنے کو ایک فرض شناس اور لائق پیرو ثابت کر دیگا، ان قیاس آرائیوں کے بعد مسز بیورج لکھتی ہیں کہ یہ مسجد ۹۳۵ھ میں مکمل ہوئی مگر بابرنامہ میں اس کی تکمیل کا ذکر نہیں، اس کے ذکر نہ ہونے کی تاویل اپنی قیاس آرائیوں سے اس طرح کی ہے کہ ڈائری میں ۹۳۵ھ کے بہت سے جزوی واقعات لکھنے سے رہ گئے ہیں۔ ۹۳۴ھ کے تو بہت سے ایسے واقعات کھو گئے ہیں جن سے اودھ سے متعلق معلومات حاصل ہو سکتے تھے، ان قیاس آرائیوں کو صداقت تسلیم کرانے کی کوشش کو تحقیقی دانشوری نہیں کہی جا سکتی، مگر ایسے بیانات کا ناقدانہ تجزیہ کرنے کی بھی ضرورت ہے۔

ایسا تجزیہ کرنے میں اڑیسہ کے موجودہ گورنر، جناب بی۔ ان۔ پانڈے کی اس تقریر سے مدد لی جا سکتی ہے

جو انھوں نے راجیہ سبھا میں ۲۹ جولائی ۱۹۸۵ء میں کی تھی۔ انھوں نے اس میں بتایا کہ ہندوستان میں انگریز مورخوں نے جو کتابیں لکھیں ان میں اس پر زیادہ زور دیا کہ ہندو مسلمان کس طرح ایک دوسرے کے خلاف تشدد آمیز رویہ اختیار کئے ہوئے تھے، وہ ایک دوسرے کے علاقے کو فتح کرتے، اور لوٹ مار کے ذریعہ مذہبی تعصب دکھاتے، ان تاریخوں میں یہ بھی دکھایا گیا کہ مسلمان ہندوؤں کے کلچر اور روایات کو تہس نہس کرنے میں مشغول رہے۔ ان کے مندروں اور محلوں کا انہدام کیا، ان کی مورتیاں توڑیں، اور ان کے سامنے یہ خوفناک شرط پیش کرتے رہے کہ اسلام قبول کرو ورنہ تلوار استعمال کی جائیگی۔

جناب بی۔ ان پانڈے نے اپنی تقریر میں یہ بھی بتایا کہ برطانوی حکومت کے سرکاری دستاویزات سے یہ معلوم ہوا کہ لارڈ ڈالگن کے زمانے میں سکریٹری آف اسٹیٹ ووڈ نے اس کو ایک خط مورخہ ۳ مارچ ۱۸۶۲ء میں لکھا کہ ہم لوگوں نے ہندوستان میں اب تک اپنا اقتدار اس طرح قائم کر رکھا ہے کہ ہم ہندو مسلمان کو ایک دوسرے کا مخالف بناتے رہے، اس کو جاری رکھنا چاہیے، جہاں تک ممکن ہو اس کی پوری کوشش کرتے رہنا چاہیے کہ یہاں کے لوگوں میں مشترکہ جذبات پیدا نہ ہونے پائیں، ۹ مئی ۱۸۶۲ء میں اسی ووڈ نے لارڈ ڈالگن کو پھر لکھا کہ اس کو یقینی جانیں کہ یہاں کے لوگوں کی ایک دوسرے کی دشمنی ہمارے لئے قابل اعتناء ہوگی اگر پورا ہندوستان ہمارے خلاف متحد ہو جائے تو ہم وہاں کیسے باقی رہ سکتے ہیں؟

---

۲۹ مارچ ۱۸۸۶ء میں ایک دوسرے سکریٹری آف اسٹیٹ جارج فرانسس ہملٹن نے لارڈ کرزن کو لکھا کہ ہم لوگ ہندوستان کے تعلیم یافتہ ہندوستانیوں کو دو حصوں میں تقسیم کر دیں، اس طرح کہ یہ دونوں اپنے خیالات میں مختلف ہوں، اس لیے تعلیمی اداروں میں نصاب کی کتابیں ایسی پڑھائیں کہ یہاں کے مختلف فرقوں کے درمیان تفرقہ کی مضبوطی پیدا ہوتی رہے، ۱۴ جنوری ۱۸۸۷ء میں اسی سکریٹری آف اسٹیٹ نے لارڈ ڈفرن کو لکھا کہ ہندوستان کے لوگوں میں مذہبی اختلافات پیدا کرنا ہمارے فائدہ کیلئے ہے آپ نے ہندوستانی تعلیم اور اسکے نصاب کے بنانے کی جو تحقیقاتی کمیٹی بنائی ہے اس سے ہم اچھے نتائج کے متوقع ہیں۔

برطانوی حکومت کی اسی سیاسی حکمت عملی کی روشنی میں جی۔ ڈی۔ نیول اور مسز اے۔ ایس
بیورج کی مذکورہ بالا تحریروں کا تجزیہ کرنا چاہیے، ان دونوں ہی پر کیا منحصر ہے، ہندوستان کے آثار قدیمہ کے
انگریز ماہرین، پھر امپیریل اور ڈسٹرکٹ گزیٹیر کے مولفین کو جب اور جہاں موقع ملا انھوں نے واقعات کو توڑ مروڑ کے
اور اپنی دانشورانہ قیاس آرائیوں اور دور از کار تاویلات سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ ہندوستان کے مسلمان
حکمرانوں نے ہندوؤں پر بڑے مظالم کئے جن کو برابر خوفناک ذلتیں برداشت کرنی پڑیں، ان دونوں
فرقوں میں کسی قسم کی مشترکہ قدریں نہیں ہیں۔

بابری مسجد کا تنازعہ بھی برطانوی حکومت کی سامراجیت کا شاخسانہ ہے، مسز بیورج نے بظاہر بہت ہی
دانشورانہ انداز میں یہ لکھا ہے کہ بابر نے ایک مندر کی جگہ ایک مسجد بنا کر اپنے رسولؐ کی اطاعت گذاری اور
اپنی فرض شناسی کا ثبوت دیا۔ اگر اس کی یہی اطاعت گذاری اور فرض شناسی تھی تو اجودھیا کے سارے مندروں
کو منہدم کر سکتا تھا، اور پھر جب اس نے اپنی راجدھانی آگرہ میں قائم کی، تو وہاں کے بھی کسی مندر کو باقی نہ رہنے دیتا،
اس کے برخلاف مسز بیورج نے بابر کی جس تزک کا ترجمہ بابر نامہ کے نام سے کیا ہے، اس کے مطالعہ سے معلوم
ہوگا کہ جب وہ ہندوستان کے کسی اچھے مندر کو دیکھتا تو خوش ہو کر اس کی تعریف کرتا۔ مثلاً جب وہ گوالیار کے
قلعہ میں پہونچا تو وہاں کے عالی شان بت خانہ کا ذکر اس طرح کرتا ہے، کہ یہاں کے تالاب کے مغرب میں
ایک عالی شان بت خانہ ہے، سلطان شمس الدین التمش نے اس بت خانہ کے پہلو میں ایک مسجد بنائی ہے،
یہ بت خانہ اتنا بلند ہے، کہ بلندی میں اس سے اونچی کوئی عمارت نہیں ہے، دھول پور کے پہاڑ پر سے گوالیار کا
قلعہ اور بت خانہ خوب نظر آتا ہے۔ کہتے ہیں کہ اس بت خانہ کا سارا پتھر وہاں کے تالاب کو کھود کر حاصل کیا ہے (ص ۶۱۰)

اگر بابر کیلئے مندروں کو مسمار کرنا مذہبی فریضہ تھا، تو گوالیار کے اس عالی شان بت خانہ کی تعریف کرنے کے
بجائے اسکو منہدم کر دیتا، اس نے گوالیار کی بعض ننگی مورتیوں کا بھی ذکر کیا ہے لیکن انکو بھی مسمار کرنا پسند نہیں کیا۔
(ص ۶۱۱-۶۱۲)، گوالیار کے بت خانے کے پہلو میں سلطان شمس الدین التمش کی بنائی ہوئی ایک مسجد سے یہ ظاہر ہے کہ
التمش نے بھی اس بت خانہ کو منہدم کرنا پسند نہیں کیا، اسی طرح بابر کے ایک امیر نے اجودھیا میں کسی مندر ہی کے بجائے

ایک مسجد بنا دی تو اس میں کون سی بات تعجب انگیز ہو سکتی ہے۔ اگر اس کے جائے وقوع کا مطالعہ کیا جائے تو یہ
چلے گا کہ اس کے آس پاس مسلمان آباد ہو چکے تھے، کیونکہ اسی کے متصل حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے مشہور خلیفہ حضرت
نصیر الدین چراغ دہلوی کا آبائی مکان تھا، جس سے ظاہر ہے کہ یہ مسلمانوں کا محلہ بن چکا تھا، اگر یہاں ایک مسجد مسلمانوں
کے لیے بنا دی گئی تو کون سے جرم کا ارتکاب ہوا؟

بابر ایک بیرونی فاتح ضرور تھا، مگر اس کے کارناموں کا مطالعہ جس حیثیت سے بھی کیا جائیگا، یہ تسلیم کرنا پڑیگا
کہ اسکی شخصیت بہت ہی دل آویز اور دلکش تھی، خود مسز بیورج نے ولیم ارسکن کا ایک لمبا اقتباس دے کر اس بات کی تائید
کی ہے، کہ ایشیا کا کوئی فرمانروا اس کا مقابل نہیں ہو سکتا ہے۔ (بابر نامہ، صفحہ ۷۱۶) پھر اس پر رام جنم بھومی کے
انہدام کا ان گھڑت الزام رکھ کر اس کو عدم رواداری یعنی ظالم اور مذہبی مجنون قرار دینا کہاں تک صحیح ہے، ہندو مورخین
بھی بابر کی شخصیت کی دل آویزی سے متاثر ہیں، مغلوں کے آخری دور کے مورخ سجان رائے نے اپنی خلاصۃ التواریخ
میں اس کے بارہ میں لکھا ہے کہ

در داد و عدل مبالغہ فرمودی

موجودہ دور کے مورخوں میں جناب رام پرشاد کھوسلا صاحب پٹنہ یونیورسٹی میں تاریخ کے پروفیسر تھے، انھوں نے
۱۹۳۲ء میں مغل کنگ شپ اینڈ نوبلیٹی لکھی، اس میں بابر کے اوصاف کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ بابر کی تزک میں
ہندوؤں کے کسی مندر کے انہدام کا ذکر نہیں، اور نہ اسکا ثبوت ہے کہ اس نے کفار کا قتل عام انکے مذہب کی وجہ سے
کیا، وہ نمایاں طور پر مذہبی تعصب اور تنگ نظری سے بری تھا (ص ۲۰۰)، ڈاکٹر راجندر پرشاد نے بابر کی مذہبی رواداری
کا ذکر جس طرح کیا ہے اس کا حوالہ ہم فروری کے معارف کے شذرات میں دے چکے ہیں۔

پنڈت جواہر لال نہرو بھی بابر کی دلکش شخصیت سے متاثر تھے، وہ اپنی کتاب ڈسکوری آف انڈیا میں لکھتے ہیں کہ
وہ نشاۃ الثانیہ کے دور میں نمونہ کار رہا تھا، بہادر تھا، مہم جو تھا، آرٹ، لٹریچر اور اچھی زندگی کا شایق تھا، الہ آباد
یونیورسٹی کے ڈاکٹر رام پرشاد ترپاٹھی اپنے زمانے کے مشہور مورخ گزرے ہیں، انھوں نے اپنی تصنیف رائز اینڈ فال
آف دی مغل امپائر میں لکھا ہے کہ بابر میں مذہبی جنون نہ تھا، اس کا رویہ ہندو افغانی امرا اور رعایا کے ساتھ

ہندبانہ شریفانہ اور دوستانہ رہا۔

پھر وہ ایک لمبے تبصرہ میں رقمطراز ہیں کہ مغل سلطنت کی شان و شوکت صرف اس کی فوجی قوت میں ہی نہیں بلکہ اسکی شان غیر مسلم رعایا اور خصوصاً راجپوتوں کے ساتھ اسکی مذہبی رواداری میں تھی پھر اس زمانہ میں کلچر کو جو فروغ ہوا وہ بھی ایک شاندار کارنامہ ہے، اکبر کو اس کے مرتبہ سے محروم نہیں کیا جا سکتا، لیکن اس پالیسی کا بیج اسکے ممتاز دادا بابر ہی کی حکومت کے زمانہ میں ڈال دیا گیا تھا، ایک ایسی سلطنت قائم ہوئی، جس کی سیاست میں مذہبی اور طبقاتی اختلاف کا کوئی دخل نہیں رہا، تخت و تاج کی حیثیت ریاست میں خاطر خواہ طریقہ پر رکھی گئی، راجپوتوں کے مسائل دوستی اور شادی بیاہ کے رشتے سے حل کئے گئے دربار کے تہذیبی پہلوؤں کو زیادہ اہم قرار دیا گیا، لیکن ان تمام باتوں کی ابتدا بابر ہی کے زمانے میں ہو گئی تھی، جس نے ایک نئی سلطنت قائم کرنے کا راستہ ہی ہموار نہیں کیا بلکہ کس طرح اس پر حکومت کی جانی چاہیئے۔ اس کی پالیسی بنانے کا اشارہ بھی کر دیا، اس نے ہندوستان میں ایک ایسا خاندان اور ایک ایسی روایت قائم کی جسکی مثال دوسرے ملکوں کی تاریخ میں نہیں ملتی۔

ہندوستان کے ایسے بڑے محسن اور ایسی دلکش شخصیت کو بابری مسجد کے جھگڑے میں الجھا کر ملک کی شاندار روایت کو مجروح کرنا ہے، اور اس کی ذات سے من گھڑت واقعات منسوب کر کے نہ صرف ہندوستان کے علم اور دانشوری کو بدنام کرنا ہے بلکہ ملک کے سیکولرزم، قومی یکجہتی اور وطن دوستی کے ساتھ دشمنی کا ثبوت دینا ہے۔

ان سطروں کے لکھتے وقت یہ خبر ملی کہ پارلیمنٹ میں مسلمان مطلقہ عورت کے نان نفقہ کا بل عام مسلمانوں کی خواہش اور مرضی کے مطابق منظور ہو گیا۔ اس سے مسلمانوں کے حلقے میں مسرت و انبساط کی لہر دوڑ گئی، ہم اپنے وزیر اعظم اور حکومت دونوں کو مبارکباد دیتے ہیں، کہ اس بل کو منظور کرا کے اس ملک کے مسلمانوں کی بڑی دل جوئی، دلداری اور دل نوازی کی امید ہے، ہمارے وزیر اعظم بابری مسجد کا بھی کوئی مدبرانہ، فیاضانہ اور روادانہ فیصلہ کر کے مسلمانوں کے دلوں کو اور بھی جیتنے کی کوشش کریں گے۔

مقالات

ابو العلاء معری کے متعلق مستشرقین یورپ کی غلطیاں

از

جناب مولانا عبد العزیز میمن مرحوم،

یہ مقالہ ستمبر اکتوبر اور نومبر ۱۹۲۵ء کے معارف میں شائع ہوا تھا۔ اور اس کے شروع میں حضرت الاستاذ مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے جو نوٹ لکھا تھا، اسی کے ساتھ ہم اس کو شائع کرتے ہیں، امید ہے کہ ۶۰ سال پہلے جو باتیں لکھی گئیں تھیں ان سے ہمارے ناظرین اسی طرح محظوظ ہوں گے جس طرح پہلے کے ناظرین ہوئے تھے، اس مقالہ میں تازگی اب بھی پائی جائے گی۔

"ص-ع"

ہمارے ہاں قدماء کے درس کا عام طریقہ یہ تھا، کہ مدرس خود مسئلہ پر زبانی تقریر کرتا تھا، طلبہ سنتے تھے، اور یادداشت لکھتے جاتے تھے، اس طریقۂ درس کا نام املا تھا، آجکل یورپ کا طرز بھی یہی ہے، اور عموماً ہندوستانی کالجوں میں بھی اسی کی تقلید ہوتی ہے، اس طریقہ کا فائدہ یہ ہے کہ کم سے کم وقت میں الفاظ اور کسی خاص کتاب کی پابندی کے بغیر نفس مسئلہ حاضرین کے سامنے آجاتا ہے، طلبہ کا ذہن، عبارت، الفاظ اور ضمیروں کی

الجھن میں نہیں پڑ جاتا۔

ہم نے یہ چاہا ہے کہ دارالعلوم ندوہ کے جدید نصاب میں اس طریقۂ درس کو دوبارہ زندہ کریں ہم نے چند لائق دوستوں کو اس سلسلہ کے آغاز کے لیے خطوط لکھے، تو سب سے پہلے ہمارے فاضل دوست مولانا میمن عبدالعزیز صاحب راجکوٹی ادیب اورنٹیل کالج لاہور نے اس کے لیے سب سے پہلے آمادگی ظاہر کی، اور ۸ جون ۳۵ء کو لکھنؤ آکر انھوں نے ہمارے عزیز طلبہ کے سامنے دو دن دو دو گھنٹے عنوان بالا پر املا کیا، اثنائے سخن اور آغاز کلام میں انھوں نے طلبہ کو یورپ کے اس علمی جد و جہد سے مطلع کیا، جو وہ ہمارے علوم و فنون کی حفاظت اور اشاعت میں کر رہا ہے، اس کے ساتھ عربی خوان طلبہ کو غیرت دلائی کہ ذوق بلند ہمتی کے ساتھ ان خدمات کے ادا کرنے کے لیے کیوں اپنے کو آمادہ نہیں کرتے۔

خطیب ممدوح عربی ادب و تاریخ میں ید طولیٰ رکھتے ہیں، اور اسی کے ساتھ قلمی کتابوں یورپین مطبوعات اور علمائے یورپ کی کوششوں سے پوری طرح آگاہ ہیں، اس لیے اس مضمون میں پوری کامیابی حاصل کر سکے ہیں۔ مشرق کے قدیم الخیال اصحاب تو مغرب کے کمال کے یکسر منکر ہیں، لیکن جدید تعلیم یافتہ اشخاص اس کی ہر بات کو وحی آسمانی اور اس کے ہر مصنف کو معصوم یقین کرتے ہیں، یہ افراط و تفریط ہے، پہلا جہل مطلق ہے، تو دوسری مرعوبیت اور دماغی غلامی، خطیب نے اسی لیے خطبہ کا عنوان "ابوالعلا معری کے متعلق مستشرقین یورپ کی غلطیاں" مقرر کیا، تاکہ علمائے یورپ کے محاسن اور معائب دونوں ہمارے طلبہ کے سامنے آ جائیں۔ خدا کا شکر ہے کہ ایک طرف ہمارے عزیز طلبہ اور فاضل مدرسین نے خطیب کے فضل و کمال کا اعتراف کیا، دوسری طرف ہمارے دوست نے طلبہ اور اساتذہ کے علمی ذوق و شوق، جدید معلومات کی تحصیل و طلب اور ان کے حسن مذاق اور ذوق سلیم کی پوری داد دی اور تسلیم کیا کہ یہ خصوصیتیں کسی اور عربی مدرسہ میں انھوں نے نہیں پائیں۔

ذیل میں اس حصہ کے تحریر شدہ حصہ کو ہم شائع کرتے ہیں، اور عربی خوان طلبہ کو اس کو دقتِ نگاہ

کے ساتھ پڑھنے کی دعوت دیتے ہیں۔ (سید سلیمان ندویؒ)

خطیب نے تمہید و شکریہ کے بعد کہا۔

اندلس کی کسی تاریخ میں کبھی کسی اندلسی فاضل کی شان میں متنبی کا یہ شعر نظر سے گذرا تھا۔

کبرت[1] حول بیوتھم لما بدت ۔۔ منہا الشموس ولیس فیہا المشرق

بات بھی یہی ہے، اور اس بیت میں ایک ذرہ برابر مبالغہ نہیں، کہ اہل اندلس ہر فضیلت کے بجا طور پر سزاوار ہیں، مادر دہر نے ہر چند لیل و نہار کے ہزار ہا سیاہ و سفید ورق الٹ ڈالے، مگر کبھی ایسی وارفتہ علم قوم کو پھر اس جہان میں نہ لا سکی اور نہ بظاہر توقع ہے، کہ آئندہ لائے،

جس وقت آفتاب علم کا بلاد مغرب سے طلوع ہونا کوئی اچنبھے کی چیز نہ تھی مگر افسوس، کہ پھر وہ حالات نہ رہے اور وہ آفتاب پھر اپنے پرانے رخ یعنی مشرق سے نکلنے لگا، مگر اب ہمارے کانوں میں کوئی سو سال سے وہی بھنبھناہٹ محسوس ہو رہی ہے، جس کا باعث بجز اس افسوسناک امر کے اور کیا ہو سکتا ہے، کہ ہم نا اہل اخلاف نے ان قابل اسلاف کی پیروی ترک کر دی اور ہمارا علمی ترکہ اغیار لے اڑے، اور جس طرح ہم ملک سے تہی دست ہو گئے تھے، اسی طرح علم و فضل سے بھی عاری ہونے لگے، اجانب بیدار تھے، انھوں نے اس یوسف گم گشتہ کی پوری تربیت و نگہداشت کی حتی کہ ان کی علمی خدمات کی صدائیں اپنی مسلسل گونج سے ہمارے کانوں کے پردے پھاڑنے لگیں، مگر واہ رے ہماری غفلت کہ ہمیں اس گہری نیند سے نہ جاگنا تھا۔ اور نہ جاگے، کاہلی، تن آسانی اور سہل انگاری ہماری ممتاز خصوصیتیں ہو گئیں، اور دنیا ہمیں طعنہ دینے لگی، کہ یہ ہیں انہی نامور اسلاف کے ناکارہ اخلاف حیف صد حیف۔

ادھر یورپ نے نہ صرف اپنے بلکہ ہمارے مخصوص علوم و فنون کی وہ ٹھوس اور سرگرم علمی خدمتیں کیں، جو ان کے لیے ہمیشہ جلی حرفوں میں تمغائے امتیاز اور ہمارے لیے ننگ و عار کا ایک لازوال داغ بنی

---

[1] میں نے ان کے گھروں کے پاس کھڑے ہو کر تعجب سے اللہ اکبر کہا، جب کہ ان میں سے سورج طلوع ہوا حالانکہ وہ کوئی مشرق نہ تھے، بلکہ مغرب میں تھے۔

رہی گی جس کے مٹنے کی اگر سبیل دنہار یہی رہے، تو کوئی قریبی توقع رکھنا سعی لاحاصل ہے، انھوں نے شرق و غرب کے ہزارہا عمومی اور خصوصی کتب خانے الٹ ڈالے، اور ہماری نادرہ روزگار کتابوں کا ایک ایک کرکے کھوج نکالا، پھر ان کا متعدد نسخوں سے مقابلہ کیا، ان کو ذیلی حواشی اور ملاحظات سے آراستہ کیا، یعنی کہ ہم سے ہماری زبان میں ہم کلام ہوئے، اور ادھر اپنے ابنائے وطن کے لیے اپنی زبانوں میں ترجمے کیے۔

اور اس طرح اجانب واغیار ہر دو کے دلوں میں اپنی سبقت کی مہر ثبت کردی، اور دونوں کی گردنیں اپنے احسان کے سامنے خم کر دیں، اور ہر مخالف و موافق کی زبان سے خراج تحسین و آفریں وصول کیا۔

میں گویا یورپ کی قصیدہ خوانی پر اتر آیا، اور اپنی انتہائی پستی کا ماتم کرنے پر، اس لیے اب ان باتوں کو یہیں چھوڑ کر اصل مطلب کی طرف ایک قدم بڑھاتا ہوں، یعنی یہ کہ اہل یورپ نے ہر چند کہ ہماری زبانوں کی بیش بہا خدمتیں کی ہیں، مگر چونکہ وہ ہماری فطری اور کسبی عادات کی ترجمانی کے حقیقی اہل نہ تھے، اور گویا وہ اپنی لیاقت کے بل بوتے پر اور ہماری نالائقی سے نائدہ اٹھا کر ہمارا بوجھ اپنے دوش ہمت پر لینا چاہتے تھے، اور اس طرح ہمارا کام خود انھوں نے سنبھالنا چاہا، اس لئے بتقاضائے سنت الٰہی ضروری تھا، کہ حقیقی اجنبیت و مغایرت اور اکتسابی فضیلت و لیاقت خلقی خامی اور کمزوری کو ہمیشہ دبانے میں کامیاب نہ ہو۔

مگر افسوس جب کہ ہمیں سرے سے اصل ہی سے کوئی سروکار نہ تھا، تو ہم سے یہ امید کیسے وابستہ کیجاتی کہ ہم اصل و نقل میں تمیز کر سکیں، اس لیے ہم گم گشتگان بادیۂ حیرت کے دلوں میں روز بروز یہ عقیدہ اور مستحکم ہوتا گیا کہ اجانب خدا نہ کرے کسی خارق فطرت اور مافوق العادۃ قوت کے مالک ہیں، جو انھیں ہر دو میدانوں یعنی سیاست و لیاقت میں کامیابی سے ہم کنار کر رہی ہے، اور گویا فطرۃً ہم اُن محاسن سے محروم پیدا کیے گئے ہیں، اس لیے بے بسی اور عاجزی ہماری ہو رہی ہے، اور ہم

اسکے ہوگئے ہیں، نہیں نہیں۔

نقصاں ز قابل است وگرنہ علی الدوام فیض عنایتش ہمہ کس را برابر است

سچ پوچھیے تو مفتوحین ہمیشہ ایسے اخلاقی امراض کا شکار رہے ہیں۔ وللہ فی خلقہ اسرار، سو ناگزیر تھا کہ ان کو یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کرا دیجائے کہ قدرت نے ہرگز ہرگز ان کے بارے میں بخل سے کام نہیں لیا، اور یہ ساری علمی پستی ان کی پست ہمتی کا کرشمہ ہے۔ بس

با ضعف و ناتوانی ہمچون نسیم خوش باش بیماری اندریں رہ خوشتر ز تندرستی

جس طرح یہ ضرورت بھی بجائے خود اہمیت میں کسی طرح کم نہ تھی کہ ان گمراہوں کو راہ راست پہ لایا جائے، اور ان کے اس بت پندار کو توڑا جائے، جس کا طاغوتی اثر یہاں تک پہنچا ہے کہ وہ مشرق کے بے لوث اور مخلص خادمان علم کی سرفروشانہ مساعی کو بادۂ نخوت سے سرشار ہو کر، شان بے نیازی سے ٹھکرا دینے کے عادی ہو گئے ہیں۔

اس سلسلہ کی پہلی کڑی معریات یعنی مضامین متعلقہ ابوالعلا معری ہیں، جن کا ایک حصہ بعنوان معری اور معارضہ قرآن "معارف" میں پہلے شائع ہو چکا ہے، اس کا سبب صرف یہ ہے، کہ عاجز نے ان دنوں ابوالعلا پر عربی میں ایک کتاب مسمّی "ابو العلاء و ما الیہ" لکھی ہے، اور چونکہ ابوالعلا کے آزادانہ افکار و آراء اہل یورپ کو اس درجہ معمول سے زیادہ بھائے تھے، کہ انھوں نے نہایت تگ و دو اور کد و کاوش کر کے اسکے احوال و اخبار میں بہت مخصوص غیر مخصوص لوبکلی بہت سی چھوٹی بڑی کتابیں جرمن انگلش، اور فرنچ وغیرہ زبانوں میں لکھ ڈالی ہیں، ضرور معلوم ہوا، کہ سر دست اسی مضمون کو چھیڑوں جو ایک حد تک ان کے لیے مایۂ نازش اور منجھا ہوا رہا ہے، اور جس میں ان سے اغلاط کے سرزد ہونے کا نسبۃً بہت تھوڑا امکان رہا تھا، میں ابوالعلا کے مفصل سوانح اور نقد و تبصرہ کے لیے قارئین کو اپنی مذکورہ تالیف کا حوالہ دوں گا جو اگر خدا کو منظور ہوا اور حالات نے مساعدت کی تو

کسی قریبی زمانہ میں نکل آئے۔

یہاں میرا مطلب صرف انہی اغلاط فاحشہ اور تناقضات قبیحہ سے ہے، جو ابوالعلاء کے مغربی عشاق سے اس کی زندگی کے سمجھنے میں سرزد ہوئے ہیں، بدقسمتی سے میں جرمن اور فرنچ کتابوں سے اصالۃً کوئی فائدہ نہ اٹھا سکا، مگر چونکہ اہل یورپ نے اس سلسلہ میں ایک دوسرے کی ترجمانی پر ہی قناعت کی ہے اس لیے میں فی الجملہ یہ کہہ سکتا ہوں کہ مجھے ان کے مضامین پر قدرے عبور ہے، اسی ترجمانی کا نتیجہ یہ اغلاط کا انبار ہے،

اس لئے میں یہاں خصوصیت کے ساتھ مارگولیوتھ اور نکلسن صاحبان کے مشترک اور مخصوص اغلاط ہی سے بحث کروں گا، اور ناظرین اپنے طور پر یہ یقین کرلیں کہ پورا یورپ کم و بیش انہی اغلاط میں مبتلا ہے، مارگولیوتھ نے رسائل معری مطبوعہ آکسفورڈ ۱۸۹۸ء کے شروع میں ایک زبردست پرمغز اور پر مواد مقدمہ نہایت متین لہجہ میں لکھا ہے، جس کی صدائے بازگشت نکلسن کی ہسٹری آف عربک لٹریچر آرٹیکل سائیکلوپیڈیا آف اسلام اور اسٹڈیز ان اسلامک پوئٹری میں ہے، میں نے چار کتابوں کے لیے علی الترتیب یہ علامات وضع کی ہیں (م. آداب. دائرۂ افکار) مارگولیوتھ صاحب کا مقدمہ کل ۴۳ صفحات کا ہے، اور نکلسن صاحب نے سوانح کے سلسلہ میں دو چار چھ صفحوں سے زیادہ کہیں نہیں لکھا، اس لیے یقیناً یہ اغلاط ناظرین کے لیے مایۂ حیرت و استعجاب ہوں گی میں نے بہت سی معمولی اغلاط کو مطلقاً نظر انداز کردیا ہے، مارگولیوتھ صاحب نے ترجمہ رسائل اور تصحیح ترجمہ معری از معجم الادبا میں اور بھی زیادہ غلطیاں کی ہیں، مگر شاید وہ قارئین کی تضییع وقت کا باعث بنتیں، بشرط ضرورت میں ان کو بھی شائع کرسکتا ہوں، جس طرح نکلسن صاحب نے افکار معری کی ترجمانی اور رسالۃ الغفران کے ترجمہ میں لاتعداد اغلاط کا ارتکاب کیا ہے، ایک اور صاحب بھی ہیں، جنھوں نے انگریزی میں معری پر ایک مختصر مگر مستقل تالیف لکھی ہے، جو بے شمار اغلاط سے لبریز ہے، اور چونکہ وہ عربی دانی کے خود بھی مدعی نہیں ہیں اس لیے گویا انھوں نے نہ ہمارے التفات کو اپنی طرف کھینچا، اور نہ ہمارا وقت لیا، کہ جرح العباد حیار

میرا مقصد نہ اپنے پچھلے اعتراف سے مکرنا ہے، اور نہ ان محبان علم کی بے غرض کوششوں کی ناقدری کرنا بلکہ صرف حقائق کو اپنی اصلی شکل میں پیش کرنا ہے، اور ان کے بیرونی لبادوں کو الٹ دینا ہے اور بس تاکہ آیندہ جو اصحاب اس سلسلہ میں کچھ کام کرنا چاہیں، وہ اپنے پیش رو مقلدین کی طرح پھر ان اغلاط کا شکار نہ ہوں، اور ان کے مخلص کی یہ کوشش ان کے لیے کارآمد مواد فراہم کرے، اور سابق الذکر سلسلہ کی ایک کڑی ہو، جس پر جہاں تک مجھے علم ہے بہت کم لکھا گیا ہے، تاکہ پھر اس طرح ہماری مردہ غیرت و حمیت گدگدیاں لینے لگے، اور ہم کسی مفید خدمت کے لیے اٹھ کھڑے ہوں، مضمون کی خشکی پر میں محترم قارئین سے طالب عفو ہوں اور ملتجی ہوں، کہ خدارا وہ علمی ترقی کی راہ میں اس کو کوئی بڑی رکاوٹ نہ بنالیں، ورنہ پھر علوم کی قسمت معلوم!

مارگولیوتھ کے اغلاط

یہ اغلاط مختلف قسم کی ہیں، اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے، کہ ان کو متعدد سرخیوں کے تحت ذیل میں ذکر کیا جائے۔

علمی کم مائگی

(۱) رسائل[1] کے اس جملہ وانصرفت وماء وجہی فی سقاء غیر سرب ما ارقت منه قطرة فی طلب ادب ولا مال ومنذ فارقت العشرین من العمر ماحدثت نفسی بانتجاع عالم من عراقی ولا شامی سے آپ یہ مطلب اخذ کرتے ہیں،[2] اپنے ایک مکتوب الیہ کو لکھتا ہے، کہ اسے اپنی عمر کے بیسویں سال سے کسی عراقی یا شامی سے نہ مال کی ضرورت ہوئی، اور نہ علم کی۔

ظاہر ہے کہ یہ ترجمہ ابوالعلاء کے دونوں جملوں کو بری طرح گڈمڈ کردینے کا نتیجہ ہے، ورنہ ابوالعلاء نے بیس سال کی عمر سے پہلے بھی کسی سے مالی امداد نہ طلب کی تھی۔ صحیح ترجمہ یوں چاہیے، اور جب سے

---

[1] ص ۳۲ [2] م، ص ۱۵

میں نے بیسواں سال چھوڑا، کبھی میرے جی میں یہ خیال نہ آیا، کہ کسی عراقی یا شامی سے طلب علم کروں۔

۲۔ کتاب الایک والغصون، کی بابت جو ابو العلار کی سب سے بڑی تصنیف ہے، ذہبی اور ابن خلکان کی بحوالہ ایک شاہد عینی یہ روایت ہے، وقد ذکر بعض الفضلاء انه وقف علی المجلد الاول منه بعد المائة قال ولا اعلم ما یعوزه بعد ذالک۔ یعنی مجھ سے ایک فاضل نے کہا کہ اس نے کتاب الایک کی ایک سو ایکویں جلد دیکھی ہے، وہ کہتا ہے۔ کہ مجھے نہیں معلوم کہ اس میں اور کتنی جلدوں کی کمی تھی، مگر مارگولیوتھ[1] اس کا ترجمہ یوں کرتے ہیں، کہ وہ ۱۰۱ جلدوں کی کتاب تھی، جس نے اور تمام کتابوں کو ناکارہ ثابت کر دیا، ان کے ترجمہ کے دونوں جزو غلط ہیں، کہ فحوائے عبارت کا اقتضایہ ہے کہ ممکن ہے، اس کی ہنوز اور کچھ جلدیں رہی ہوں، مگر مجھے علم نہیں، اعواز کے معنی ناکارہ کرنا دنیا کی کسی لغت میں نہیں

۳۔ ابن فورجہ[2] کا املا لکھتے ہیں۔ (Ibn faurajah) حالانکہ یوں ہونا چاہیے۔ (Ibn furrajah) جس طرح صاحب فوات الوفیات نے ضبط کیا ہو، وتتمة الیتیمة للثعالبی کے قلمی نسخہ[3] محفوظ ببلیوتھک نیشنل پیرس میں مشکولاً موجود ہے۔ اس بات کی بعض مثالیں آئندہ بھی آئیں گی۔

تصحیفات شنیعہ | بعض اوقات ناکافی تامل کی بنا پر بری طرح الفاظ میں کتر بیونت یا رد و بدل کر ڈالتے ہیں۔ مثلاً

۴۔ سویقۃ غالب کو جس کا ذکر آئندہ آئے گا۔[4] سویقۃ ابن غالب لکھا ہے، مگر یہ غلط ہے۔ ملاحظہ ہو معجم البلدان و ابن خلکان۔

۵۔ ابو الیسر شاکر کو جس کا ذکر خریدۃ القصر ادبار اور نکت الہمیان وغیرہ میں بارہا آیا ہے اور جو ابو العلار کے بھائی ابو المجد محمد کے پوتے کے پوتے ہیں، آپ[5] ابو النصر لکھتے ہیں۔

۶۔ اور منتخب الدولہ کو جس کو یہ لقب الظاہر الفاطمی نے سنہ ۴۲۰ھ سے کچھ پیشتر دے کر دمشق کا

[1] م ۲۹۔ [2] م ۲۶۔ [3] اس کے فوٹو یہاں لاہور میں ہم نے بچشم خود دیکھے ہیں۔ [4] م ۲۴۔
[5] م ۳۴۔

گورنر بنایا تھا۔ اور جس کا اصل نام امیر الجیوش انوشتکین الدزبری تھا، آپ[6] منتخب الدولہ بالخاد لکھتے ہیں۔ ملاحظہ ہو، ذیل تاریخ دمشق لابن القلانسی۔

۷۔ اغانی کے حوالہ سے[7] راوی ہیں، کہ ابو تمام کی سفارش پر اہل معرہ نے بحتری شاعر کا ایک ہزار درہم سالانہ وظیفہ مقرر کیا تھا، حالانکہ اغانی[8] کے علاوہ وفیات میں بھی چار ہزار درہم ہیں نہ کہ ایک ہزار۔

۸۔ ایک جگہ لکھتے ہیں[9] کہ قاضی عبد الوہاب المالکی جب بغداد سے مصر کو روانہ ہوئے الخ اور دوسری جگہ[10] کہ مصر سے بغداد کو الخ حالانکہ مسافر اور سفر دونوں ایک ہی ہیں، پھر دونوں باتوں کے لیے حوالہ بھی ایک ہی دیا ہے، یعنی ابن خلکان ۱ × ۴۳ جو مطبوعہ مصر سنہ ۱۳۱۰ھ میں ۱ × ۳۰۴ پر واقع ہے، یہ صاف تناقض بے سوچے سمجھے لکھ دینے کا نتیجہ ہے۔

بے دلیل دعوے | عموماً اہل مغرب اور ان کے مقلدین دعووں کے بڑے شیدا ہوتے ہیں اور وہ اپنے استقرا غیر تام کے بوتے پر فوراً دو ٹوک فیصلہ کر دیتے ہیں، جس پر سامع اُن کے وسعت معلومات پر انگشت بدنداں رہ جاتا ہے، اور لطف یہ ہے، کہ فیصلہ میں کوئی گنجائش باقی نہیں چھوڑتے، شاید اسی بنا پر ہماری منطق میں استخراج کو استقرا پر ترجیح دی گئی ہے، قاضی علی بن عبد العزیز الجرجانی کیا خوب کہتے ہیں

وما عجبتنی قط دعوی عریضة   وان قام فی تصدیقها الف شاهد

مارگولیوتھ صاحب ہر چند کہ اپنی سنجیدگی اور وسعت اطلاع کے باعث علمائے یورپ میں اس سے بہتر ہیں، مگر گرد و پیش کے حالات سے صاف بچ نکلنا ان کے بس میں نہ تھا، سلئے بعض رسدی وہ بھی دعاوی کے خون الوان سے زلہ چیں ہوئے۔

۹۔ کہتے ہیں[11] کہ معرہ کے شعرار کے نام جو کتب تاریخ میں ملتے ہیں، اس کی سیاسی اہمیت کے مقابلہ میں بہت کم ہیں، پھر حاشیہ پر کوئی ۵ شعرار کے نام گنائے ہیں۔

[6] م ۳۱ و ۴۴ [7] م ۱۳ [8] دوسرا ایڈیشن ۱۸ × ۱۶۹ [9] ۲ × ۱۶۵ [10] م ۲۹۔
[11] م ۳۴۰ [12] م ۱۳۔

یہ دعویٰ قلت تتبع کا نتیجہ ہے حق تو یہ تھا، کہ یوں لکھتے کہ وہ وہاں کی سیاسی اہمیت کی نسبت سے کہیں زیادہ ہیں، یہاں ناموں کی طول طویل فہرست پیش کرنا شاید کوئی دلچسپ مواد فراہم نہ کرتا، اس لیے قارئین کو میں اپنی عربی کتاب کا حوالہ دوں گا، جس میں میں نے کوئی ۵ شعراء کا ذکر کیا ہے، جو بنو سلیمان بنو الدیدہ، بنو عبد اللطیف، بنو ابی الحصین اور بنو المہنا وغیرہ خاندانوں سے تعلق رکھتے تھے۔

۱۰۔ ایک جگہ مدعی ہیں، کہ ابو العلاء بینائی چلے جانے کے بعد بھی چند سال تک برائے نام بصارت سے متمتع رہا، کہ پھولوں اور حروف وغیرہ کی تعریف کرنا اس امر کی دلیل ہے۔

یہ دعویٰ پادر ہوا، اور بلا دلیل ہے کہ وہ اس کے اثبات میں کوئی کتابی دستاویز نہیں پیش کر سکتے بلکہ خود ابو العلاء اس کی تکذیب کرتا ہے، اکثر مورخین اس سے ناقل ہیں، کہ چیچک کے دنوں جس کو بعمر ۴ سال یہ نابینا ہو گیا تھا، مجھے چونکہ سرخ لباس پہنایا گیا تھا، اس لیے میں بجز سرخ ..... کے اور کسی رنگ کو نہیں پہچانتا، سونا گزیر تھا، کہ اگر چیچک کے بعد کسی قسم کی بصارت باقی رہی ہوتی، تو وہ اور رنگوں کو بھی پہچان سکے، اس کے دیوان سقط الزند میں ستاروں کے وصف میں جو نونیہ قصیدہ ہے۔ وہ شاید مارگو لیوتھ صاحب کی نظر سے نہیں گذرا جو آنکھ والوں کے بس سے بھی باہر ہے۔ اور جس کے برابر حیرت انگیز اشعار شاید کسی اندھے نے نہ کہے ہوں، دیکھئے تنویر (۱ × ۲ ۹) اور نکہت الہمیان (۸۴) جاحظ نے اعشی اور بشار دو اندھے شاعروں کے دو معمولی سے شعروں پر حیرت کا اظہار کیا ہے، صفدی اس واقعہ کو نقل کر کے کہتا ہے، کہ اگر جاحظ کہیں ابو العلاء کے نونیہ قصیدہ کو سن پاتا تو خدا جانے اس کی حیرت کا کیا عالم ہوتا، ظاہر ہے کہ ضعیف بصارت اس درجہ ستاروں کی تشخیص پر قادر نہیں ہو سکتی تو لازمی طور پر یہ غیر معمولی دماغی قوی کا نتیجہ ہوگا، ہلال کو نون سے تشبیہ دینا مستلزم بصارت نہیں، کہ یہ تشبیہ ابو العلاء سے پہلے کی ہے، اور اندھوں کو یہ معلوم ہونا کہ ن گول ہوتا ہے، کوئی انوکھی بات نہیں۔

ے م ۱۳۰

۱۱۔ کہتے ہیں[1]، کہ ابو العلاء نے بغداد پہنچ کر اپنا جہاز چھڑانے کے لیے قاضی ابو الطیب الطبری کے کہنے پر امام ابو حامد الاسفرائنی کو اپنے عینیہ قصیدہ سے مخاطب کیا۔

یہ دعویٰ نہ کوئی ثبوت رکھتا ہے، اور نہ ضرورت، اس لیے کہ ابو العلاء کے لیے ابو الطیب اور ابو حامد ہر دو فقیہ مساویانہ حیثیت رکھتے تھے، یعنی کہ دونوں سے بغداد ہی میں ملاقات ہوئی تھی اور پھر دونوں محض فقیہ تھے، ہاں اگر بالفرض کوئی ادیب ہوتا، تو وجہ ترجیح پیدا ہو جاتی، پھر اس ابو الطیب کی ترغیب کی کیا حاجت تھی۔

۱۲۔ فرماتے ہیں[2]، الشریف الرضی کی علمی مجلس شاپور کی مجلس کے نمونہ پر قائم کی گئی تھی جس کا ابو العلاء نے نثر و نظم ہر دو میں تذکرہ کیا ہے، الخ

شاپور کے دار العلم کا تو بے شک ابو العلاء نے تذکرہ کیا ہے، مگر رضی کی کوئی ایسی مجلس سرے سے تھی ہی نہیں، کسی تاریخ سے اس کا کوئی سراغ نہیں ملتا، اور واقعہ یہ ہے کہ شاپور کے دار العلم در مرتضیٰ برادر رضی کی علمی محفل کے ہوتے ہوئے نو عمر الرضی کو ایک نئی محفل قائم کرنے کی کوئی خاص ضرورت بھی نہ تھی، ہاں یہ یاد رہے، کہ شاپور رضی کے خسر تھے، اور رضی کے بڑے بھائی مرتضیٰ کی مجلس میں تو علماء کے ٹھٹھ کے ٹھٹھ لگے رہا کرتے تھے، ہم نے اپنی کتاب میں اُن کی مجلس کے چند دلچسپ واقعات قلم بند کیے ہیں، پھر ابو العلاء کا اس میں حصہ لینا بہت سی معتبر کتابوں سے ثابت ہو چکا ہے، مگر رضی کی مجلس کا کہیں کوئی ذکر نہیں ملتا، اور نہ ابو العلاء کا اس سے کوئی تعلق معلوم ہوتا ہے، بہت ممکن ہے، کہ تشابہ سے مرتضیٰ کی جگہ رضی کا نام لکھ ڈالا ہو، جس طرح ابن تغری بردی بھی ان سے پیشتر اسی تشابہ میں گرفتار ہو چکا ہے[3]

۱۳۔ کہتے ہیں[4]، کہ ابو العلاء کے بغدادی دوست ابو احمد عبد السلام نحو و جغرافیہ میں شہرہ آفاق تھے، اور حاشیہ پر معجم البلدان کی فہرست کا حوالہ دیتے ہیں۔

[1] م ۲۲ [2] م ۲۲۰ [3] پھر نکلسن کو بھی اسی غلطی میں آداب صفحہ ۳۱۲ میں گرفتار پایا [4] م ۲۴۰

میں نے نسبۃً ہر سوانح نگار سے بدرجہا زیادہ عبدالسلام کے اخبار جمع کیے ہیں، مگر افسوس کہ مجھے اس کی جغرافی شہرت کا کہیں پتہ نہ چلا، شاید معجم البلدان کی فہرست میں عبدالسلام کا نام آنا ہی حضرت کے وہم کا باعث بنا ہے، مگر یہ تو فرمائیں کہ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، عیسیٰ، موسیٰ، امرؤالقیس، اور اعشیٰ وغیرہ کا بھی تو ذکر ہے، کیا یہ بھی جغرافیہ میں شہرۂ آفاق تھے، معجم البلدان تو اولاً ادب وتاریخ وانساب کی کتاب ہے، اور ثانیاً جغرافیہ کی، ہاں اگر بجائے جغرافیہ، لغت ولوب دشعر وتفسیر کا نام لیا جائے، تو قرین صواب ہو، صاحب ذکری (صفحہ ۱۰۷) نے بھی مارگولیوتھ کی کورانہ تقلید کی ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں، صاحب الصوت البعید فی علم تقویم البلدان دیکھئے، ایک نے رائی کے برابر غلطی کی تھی، جس کو دوسرے نے پہاڑ کے برابر بنا دیا، یہ ہیں علمی تقلید کے قبیح نتائج۔

۱۴۔ کہتے ہیں کہ بغداد سے واپس ہوتے ہوئے ابوالعلا موصل تک تو کشتی میں آیا، اور پھر سانڈنی پر سوار ہوا۔

یہ دعویٰ بلادلیل ہونے کے علاوہ خود ابوالعلاء کی شہادت کے خلاف ہے کہ وہ رخصت ہوتے ہوئے اہل بغداد کو اس طرح مخاطب کرتا ہے۔

اذا طال تسع قلت واللوم کاربی اجدکولم تفهموا طرب النسع

وانی لنا من ماء دجلة نغبة علی الخمس من بعد المفاوز والربع

نسع یعنی تنگ سانڈنیوں کے ہوتے ہیں، اور مفاوز یعنی مہیب بیابانوں سے کشتی کو کیا سروکار؟

---

۲۸ جب راہ میں کوئی تسمہ چرچرانے لگتا ہے، تو میں یوں کہتا بجا لیکہ ملامت گلوگیر ہوتی۔ ہائے تم تسمہ کے اشتیاق کو نہیں سمجھے، اور دشت بیابانوں کے بعد جب کہ جانوروں کو پانی پیے ہوئے چار چار پانچ پانچ دن گذر چکے تھے، ہمیں آب دجلہ کا جرعہ کیونکر نصیب ہوتا۔

اور پھر اغلب یہی ہے، کہ ابوالعلاء کو اپنی کشتی ہنوز واپس ہی نہ ملی تھی، پھر اس میں سفر کیونکر کرتا؟ اچھا چلیے یوں ہی سہی، مگر موصل میں اپنی کشتی کو کس کے پاس چھوڑتا، اور کیوں، رسائل کے لفظ وسرت عن بغداد …… سیر انحط ابلة تنطانسو عه وتوقع الغرق سفنه الخ کسی یقینی نتیجہ تک نہیں پہنچاتے۔

۱۵۔ کہتے ہیں کہ پچھلے محققین بظاہر ابوالعلاء کی قبر کا کوئی سراغ نہیں لگا سکے، حالانکہ اس کی قبر کا مقام معرہ میں بالکل مشہور ومعروف ہے، ایک شاہد عینی جس نے ۱۹۰۵ء میں معرہ کی سیاحت کی تھی، کہتا ہے، کہ اسکی قبر شہر کے ایک گوشہ میں محل تکریم وتعظیم نبی ہوئی ہو، اور کوفی خط میں اس پر ایک کتبہ کندہ ہے، اور اس کے قرب وجوار میں اس کے ایک شاگرد کا مزار ہے، اور دونوں کے مقابل ایک گنبد میں شیخ محمد غباری کی تربت ہے، ہمارے ایک دوست نے لکھا ہے کہ مصر کے جریدہ العمران میں یہ چھپا تھا، کہ معرہ کے رئیس نورس پاشا نے اس کے مزار کی اصلاح کرائی اور وہاں بچوں کے لیے ایک مکتب کھول دیا ہے۔

ناکافی تامل اور سہل انگاری کے نتائج	گاہ گاہ ناکافی تامل، اور فقدان غور رسی کی بنا پر بعض عجیب وغریب اوہام کا شکار ہوگئے ہیں، مثلاً

۱۶۔ کہتے ہیں اس کے رسائل وغیرہ میں کہیں اس کے دونوں بھائی ابوالہیثم اور (ابوالمجد) محمد کا کوئی سراغ نہیں ملتا۔

ہاں ابوالہیثم کا اس کی اپنی تالیفات میں بے شک کہیں کوئی ذکر نہیں، مگر محمد کا ذکر تو موجود ہے، دیکھئے رسائل صفحہ ۱۱۲ پر اس کو وہ ان لفظوں میں یاد کرتا ہے، واما سیدی ابوالمجد فشغله من قلة الفائدة ما یکاد یمنع نومه الخ یعنی برادر مہتر ابوالمجد تو شب وروز دوسروں کی کاربراری میں منہمک رہتے ہیں، تعجب ہے، کہ خود رسائل ہی کا طابع وناشر ومترجم یہ لکھے

---

۳۲ ۴۳-۴۳ ۴۳-۴۳

کہ اس کا کہیں ذکر نہیں اس غفلت کے باعث بظاہر دو ہیں۔

(الف) مارگولیوتھ کو یہ معلوم ہی نہیں، کہ محمد مذکور کی کنیت ابو المجد ہے، حالانکہ ادبار اور خریدہ وغیرہ میں یہ تصریح مذکور ہے،

(ب) انھوں نے ابو المجد سے کسی مستملی (کاتب)، کو مراد لیا ہے۔ احتمالاً مگر یہ احتمال باطل ہے، اس لیے کہ مامون کے خط میں مستملی کا ذکر بے محل ہے، اور پھر اس کو بلفظ سیدی یعنی میرے آقا یاد کرنا اور بھی ناموزوں اور یہ دونوں باتیں ابو المجد محمد پر خوب چسپاں ہیں۔ اس لیے کہ وہ بڑے بھائی تھے، اور ساتویں صدی ہجری تک ان کے سلسلۂ نسب کی بقا کا ثبوت بذریعہ شجرہ ہم نے اپنی کتاب میں پیش کیا ہے۔

۱۷۔ کہتے ہیں[1] کہ بغداد میں المغربی اور ابو القاسم بن جلبات سے اس کے تعلقات نے اندرونی دائرہ میں اس کے داخلہ کی راہ کو صاف کر دیا۔

باوجود کاوش ہمیں کہیں نہیں معلوم ہوا کہ ابن جلبات ہنوز بقید حیات ہوں، ان کا پتہ بجز مسقط کے میمیہ کے اور کہیں سے نہیں چلتا یتیمۃ الدہر میں مذکور ہے، کہ وہ نیشاپور کی مجلس کا شاعر تھا۔ اور میمیہ کہتا ہے، کہ عضد الدولہ نے بغداد میں اس کو ایک نہایت جلیل القدر منصب پر فائز کیا تھا، عضد الدولہ کی وفات کے بعد وہ اس منصب سے معزول کیے گئے، جس کا نتیجہ بظاہر یہ ہو سکتا ہے کہ وہ (معرہ میں) خانہ نشین ہو گئے ہوں۔

المغربی کے متعلق مارگولیوتھ نے بہت کچھ غلطیاں کی ہیں، ان کو ہنوز یہی معلوم نہیں، کہ یہاں دو المغربی ہیں، ایک تو باپ یعنی ابو الحسن علی اور دوسرا فرزند یعنی ابو القاسم الحسین جو ابو العلاء کا گہرا دوست اور اس کی فضیلت کا معترف ہے، ابو القاسم الحسین اس وقت تک مرے سے بغداد

---

[1] م: ۳۴ ۔ [2] م: ۲۵

پہنچا ہی نہ تھا، پھر اس کے اہل بغداد سے تعلقات کے کیا معنی، ابو القاسم شام میں پیدا ہوا، اور عنفوان شباب میں اپنے باپ کے ہمراہ مصر چلا گیا، جہاں شباب کے بقیہ ایام گذارے، پھر جب الحاکم العلوی نے اس کے باپ کو سنہ [illegible]ھ میں قتل کر دیا، تو یہ بھاگ کر حسان بن مفرج صاحب رملہ کے یہاں پہنچا، اور چند سال حاکم کے خلاف مصروف سازش رہا، پھر کہیں سنہ [illegible]ھ کے چند سال بعد بغداد کے اطراف میں پہنچا، جس طرح بلا اختلاف تمام عربی تاریخیں شاہد ہیں، مثلاً ابن القلانسی اور ابن الاثیر وغیرہ۔

۱۸۔ کہتے ہیں[1] کہ المغربی نے جب کہ مصری لشکر حلب کا محاصرہ کیے ہوئے تھا، عام اہل معرہ کو اپنے ایک سیاسی خط سے مخاطب کیا، جس کا اثر یہ ہوا کہ تمام اہل معرہ مصریوں کے ساتھ مل گئے پھر جب ان پر حلبی (آل حمدان) حملہ آور ہوئے تو مصری انھیں بچانے آئے۔

اس غلطی کے کھولنے کا محل کوئی اور موقع تھا، مگر تسلسل مبحث کے لیے ہم نے یہیں ذکر کیا یہ قول چند اوہام کا مجموعہ ہے، (۱) دونوں مغربیوں میں کوئی تمیز نہیں رکھی، کہ مبتلائے گریزی و سیاسیات ابو الحسن تھا، اور خط لکھنے والا ابو القاسم جو بباعث صغر سن کسی طرح سیاسیات میں حصہ لینے کا اہل نہ تھا، ملاحظہ ہو معری کا (وفیات الاعیان) وغیرہ میں اس کا حال (ب) ابو القاسم نے یہ رسالہ مصر سے بھیجا تھا۔ نہ کہ حلب سے، ملاحظہ ہو معری کا وہ جوابی رسالہ جس کا نام رسالہ المنیح ہے صفحہ ۹ دان ضرب اوراق البتیہ بمصر (ج) یہ غلط ہے کہ اہل معرہ حمدانیوں کو چھوڑ کر مصریوں کی طرف مائل ہوں، اس لیے کہ اسی زمانہ میں یعنی سنہ ۳۹۰ھ میں ابو العلاء نے سقط کا پہلا قصیدہ لامیہ سعید الدولہ نبیرہ سیف الدولہ کی مدح میں تیار کیا تھا، ملاحظہ ہو قلمی نسخہ موجودہ ببلیوتھک نیشنل پیرس نیز ابو العلاء نے مصریوں سے نفرت ظاہر کرنے کے لیے بیسیوں اشعار کہے ہیں، جو اپنی کتاب میں دیے ہیں منجملہ ان کے

---

[1] ترجمہ۔ رسائل۔ بعد کو دیکھا کہ یہ دعویٰ نکلسن نے بھی دائرہ صفحہ ۵۰ میں کیا ہے۔

دو شعر یہ ہیں:-

یقولون فی المصر العدول وانما ^ا^ حقیقۃ ما قالوا العدول عن الحق

ولست بمختار لقومی کونہم قضاۃ ولا وضع الشہادۃ فی رق

نیز ابوالعلاء حمدانیوں کی طرف اپنے میلان بدیں الفاظ ظاہر کرتا ہے۔[۲]

لاتنا منن فو ارساً من عامر الا بذمۃ فارس من وائل

تبریزی کہتے ہیں، کہ ملوک حلب وغیرہ آل وائل سے ہیں اور ملوک عراق اور الجزیرہ

آل عامر بن صعصعہ سے تو گویا وہ عامر سے شکایت ظاہر کرتا ہے، اور وائل کا شکریہ، پھر اس میں اس بات

کی طرف بھی اشارہ ہے، کہ وائل کا ایک سوار، عامر کے چند سواروں کے برابر ہے، الخ (د) ابوالعلاء

کے رسالۃ المنیح کو سیاسیات سے کوئی سروکار نہیں، جس طرح ہم نے اس کے مضمون سے اپنی کتاب میں

بالتفصیل بحث کی ہے۔

لطیفہ: ڈاکٹر طٰہٰ مصری نے اس موقع پر مارگولیوتھ کے رد کرنے کی بڑی کوشش کی ہے۔ مگر

آنجناب والد کا نام ابوالحسن الحسین بن علی المغربی بتاتے ہیں، جو باپ اور بیٹے کے نام کا مجموعہ ہے، (دیکھو ذکری ص ۱۵۹)

۱۹ - ابو احمد عبدالسلام کی بابت فرماتے ہیں کہ اس نے ابن السیرافی کے لکچر سنے تھے، جس کو آپ نے

چھوٹے سیرافی کے نام سے یاد کیا ہے۔

یہ سراسر غلط ہے، اس لیے کہ ابو احمد سیرافی کے شاگرد تھے، نہ کہ ابن السیرافی کے، جس طرح آئندہ

حکایت بالتصریح دلالت کرتی ہے،

---

[۱] کہتے ہیں مصر میں ثقہ لوگ ہیں۔ سچ پوچھو تو باطل پرست ہیں، بھائی میں تو اپنی قوم کے لیے بھی یہ بات

پسند نہ کرونگا، کہ وہ قضا کا منصب سنبھالیں، یا دستاویزوں پر شہادتیں دیتے پھریں [۲] سقط ۱ x ۱۵، تو عامر کے

سواروں کبھی مطمئن نہ ہو جائیں، جب تک کسی وائلی سوار کی ضمانت نہ ہو۔

اصلاح المنطق کے ایک نسخہ سے منقول ہے، کہ ابوالعلا معری کہتے ہیں، کہ مجھ سے عبدالسلام البصری[۱]

نے کہا، جو بغداد کے دارالعلم کے لائبریرین اور میرے مخلص دوست تھے، کہ میں ابوسعید سیرافی کی مجلس میں

اس وقت حاضر تھا، جب کہ قاری ان سے اصلاح المنطق لابن السکیت پڑھتے ہوئے اس بیت پر پہنچا،

ومطویۃ الاقراب اما نہارہا[۲] فسبت واما لیلہا فذمیل

تو ابوسعید بولے اس کو مطویۃ بالکسر بنا لو کہ یہ وادٔرب ہے، میں نے کہا ایہا الشیخ! پہلا

شعر تو اس بات پر دلالت کرتا ہے، کہ یہ بالرفع ہو اور وہ یہ ہے کہ

اتاک نبی اللہ الذی انزل الہدی[۳] ونور واسلام علیک دلیل

ومطویۃ الخ تو انھوں نے بالرفع پڑھوا دیا، اس موقع پر ان کے صاحبزادہ ابومحمد ابن السیرافی،

حاضر تھے، وہ بگڑ گئے اور فوراً اٹھ کر اپنی گھی کی دکان فروخت کر کے طلب علم کی طرف متوجہ ہوئے۔

تا آنکہ وہ جلیل القدر فاضل بن گئے، اور اصلاح المنطق کی شرح تیار کی، ابوالعلاء کہتے ہیں مجھ سے

اس شخص نے کہا جس نے انھیں یہ شرح لکھتے ہوئے دیکھا تھا، کہ اس کی تصنیف کے وقت ان کے

پیش نظر چار سو کتابیں تھیں۔ یہ اشعار تہذیب الاصلاح کے نسخہ مطبوعہ کے صفحہ ۱۵ پر واقع ہیں یوں

بھی عبدالسلام اور ابن سیرافی قریباً ہم سن ہیں۔

۲۰ - کہتے ہیں[۴] کہ ابوالعلاء کو اس کے ماموں (ابوطاہر) نے شرح کتاب سیبویہ للسیرافی کے نقل

کرانے کے لیے لکھا، جب کہ ابوالعلاء بغداد میں تھا، الخ

مارگولیوتھ صاحب کی یہ دو فاش اور فحش غلطی ہے، جس نے رسائل کے دسویں اور رسوا نمبر کے

---

[۱] ابن خلکان ۲ x ۳۵۰ [۲] اور باریک کمر والی سانڈنی جو شب و روز ہٹی اور پھرتی

چال چلتی ہے، [۳] مجھے تم تک وہ خدا لایا ہے۔ جس نے ہدایت اتاری ہے۔ اور نور اور سلام جس نے

تم تک میری راہنمائی کی ہے۔ [۴] م ۲۵

بیسویں حصہ کا ستیاناس کر دیا ہے، اسی بنا پر وہ ابو بکر احمد[1] دگنذا اور دوست محمد ہے، (دیکھو رسائل ص۴۸)
الصابونی کو ابو العلاء کے بغدادی احباب میں شمار کرتے ہیں، اور پھر رسائل ۱۰، ۱۱، ۱۵ کے تراجم
میں بری طرح خبط کر دیا ہے، تعجب ہے کہ ہمارے مصری نابینا ادیب عالم ڈاکٹر طٰہٰ حسین نے بھی چشم بصیرت
وا نہ کی، اور اندھا دھند مارگولیوتھ کے پیچھے ہو لیے۔[2]

اس غلطی کا منشا بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے، کہ عنوان رسالہ نمبر ۱۰ کے یہ الفاظ ہیں، "وکتب الی ابی
طاهر المشرف بن سبيكة وهو ببغداد يذكر له امر شرح السيرافي وماجرى فيه
من التعب" ممکن ہے کہ یہ غلطی جامع رسائل کی ہو جس طرح خود مارگولیوتھ نے اس کو غلطی سے ایک
اور جگہ[3] نسبت دی ہے۔ مگر جامع کی بہ نسبت خود مارگولیوتھ صاحب غلطی سے نسبت دیے جانے کے کہیں
زیادہ اہل ہیں، کہ صرف اس زعم پر کہ ابو العلاء کی رحلت بغداد ثابت ہے انھوں نے بتقاضائے ظاہر مضامین
محتویہ سے آنکھیں بند کر کے "ہو" کی ضمیر کا مرجع ابو العلاء کو گردانا ہے، نحاۃ نے کیا خوب کہا ہے، کہ ضمائر مبہمات
میں سے ہیں، میری رائے تو یہ ہے، کہ بجائے معارف کے ان کو نکرات میں شمار کیا جائے، تاکہ پھر قلیل
البضاعۃ لوگ ایسی غلطیوں سے محفوظ رہیں، مگر جائے حیرت ہے، کہ مارگولیوتھ یہ بھول گئے ہوں
کہ یہ چاروں رسائل متعلقہ شرح ۱۰ و ۱۱ و ۱۲ و ۱۳ ایک ہی سلسلہ میں منسلک ہیں، اور عنوان
رسالہ ۱۲ و ۱۳ میں یہ تصریح موجود ہے، کہ خود ابو طاہر بغداد سے واپس آئے تھے، حالانکہ مارگولیوتھ
تو ان کو حلب میں بٹھلا کر ان کے ہاتھوں ابو العلاء کی طرف یعنی بغداد کی طرف شرح کے لیے
خط لکھوا رہے ہیں، یہی نہیں بلکہ مضامین کی طرف مطلقاً توجہ نہیں کی، رسالہ نمبر ۱۰ میں ہے۔
"آپ نے جو نسخہ کی تحصیل کی کیفیت لکھی ہے، اس کو میں سمجھ گیا۔ ..... آپ بڑے مہربان
ہیں، اور میں ناحق بار خاطر بنتا ہوں، آپ نے حسب معمول کرم کیا، اور میں ناحق بضد ہوا۔"

---

[1] م - ۳۶ [2] ذکری ۱۳۲ [3] م ۴۰ -

اسی رسالہ میں ابو عمرو استرآبادی کا تذکرہ ہے جن کی طرف اسی مطلب کیلئے رقعہ نمبر ۱ لکھا گیا ہو، اگر ابو العلا خود بغداد میں ہوتا تو
تو ابو عمرو کی طرف رقعہ کیوں بھیجتا، پھر رسالہ نمبر ۱۰ کے اختتام پر ہے، میں آپ کی طرف وسلام بھیجتا ہوں جس کو کاغذ معطر اور آپ کے
خشک راستے سرسبز ہو جائیں"، میں مارگولیوتھ ہی کے جواب پر قانع ہوں، اس لیے وہی بتائیں کہ خشک
راستے مقیم کے ہوتے ہیں، یا مسافر کے، رسالہ نمبر ۱۲ میں جس کے عنوان میں ابو طاہر کے بغداد کی واپس
آنے کا تصریحاً ذکر ہے، ابو العلاء لکھتا ہے۔ "براہ کرم مجھے یہ تو بتایئے کہ میری فرمائش پر آپ نے کتنی رقم
صرف کی ہے، تاکہ میں فوراً ارسال کر دوں کہ اگر میں خود بھی موجود ہوتا، تو مجھے آپ کے برابر بھی مطلب
برآری میں کامیابی نہ ہوتی"۔ العجب ثم العجب بین جمادی و رجب کہ جب نفس رسالہ اور اس کے عنوان
ہر دو میں ابو طاہر کے بغداد سے واپس ہونے کا ذکر ہے، تو مارگولیوتھ صاحب ابو العلاء کو کیوں بغداد
بھیج رہے ہیں، ابو العلاء نے رحلت بغداد میں اپنے ماموں کے جہاز پر سفر کیا تھا، جو اس بات کی دلیل
ہے، کہ وہ دریائے فرات میں ایک مخصوص جہاز اپنے تجارتی اغراض کی خاطر ہمیشہ محفوظ رکھتے تھے۔
جس کا بظاہر مارگولیوتھ نے یہ مطلب سمجھا ہے، کہ ابو العلاء کے لیے یہ جہاز عمداً مہیا کیا گیا تھا، جس کا
کوئی ثبوت نہیں، نیز عقلاً بھی یہ خیال بے معنی ہے، کہ ایک شخص اپنے اس سفر کے لیے جس کو وہ دائمی کا
کوئی ارادہ نہ رکھتا ہو جس طرح مارگولیوتھ کو بھی تسلیم ہے، ایک مستقل جہاز بنوائے، ابو العلاء اپنے ماموں
کی دائمی سیاحت کے متعلق لکھتا ہے۔

کان بنی سبیكة فوق طیر ۔۔۔ یجوبون الغوائر والنجادا
ابا لاسکندر الملک اقتدیتم ۔۔۔ فما تضعون فی بلد وسادا

یہ بات بھی سوچنے کی ہے، کہ بیچارہ غریب ابو طاہر جو بجز تجارت کے اور کوئی مشغلہ نہ رکھتا تھا،
شرح سیرافی کو جو نحو کی انتہائی کتاب ہے، کیا کرتا؟ ہاں ابو العلاء کو بیشک اس کی سخت ضرورت تھی،
کہ وہ ابھی ابھی تصنیف ہوئی تھی، اور ہنوز شام میں اس کے نسخے عام طور پر نہیں ملتے تھے، سو اگر یہ

کہ شرح کے لیے ابوالعلاء نے اپنی رحلت بغداد سے پیشتر ابوطاہر کو لکھا ہو، ورنہ بغداد میں تو اس نے شرح کے بیسیوں نسخے دیکھے ہوں گے، جس طرح وہ اس کے کثیر نسخوں کے بغداد میں پائے جانے کا خود ہی[1] ذکر کرتا ہے، اور یوں بھی بغداد سے واپس ہو کر ابوالعلاء کو کتب نحو کا اتنا شوق نہ رہا تھا جس طرح لزوم میں خود ہی کہتا ہے، (ملاحظہ ہو ہماری کتاب)، اگر یہ کہا جائے، کہ بغیر سابقہ ملاقات کے وہ ان اصحاب کو شرح کی تحصیل کی زحمت کیونکر دے سکتا تھا، تو ہم یہ کہیں گے، کہ قبل از رحلت بغداد ابوالعلاء کے اہل بغداد سے دوستانہ تعلقات موجود تھے[2]، (ملاحظہ ہو اس کا رقعہ قاضی ابوالطیب کی طرف)، یہ بات مارگولیوتھ[3] کو بھی تسلیم ہے، کہ بغداد میں ابوطاہر کے بہت سے احباب تھے، جنھیں ہمیشہ وہ بذریعہ خطوط ابوالعلاء کی خاطر مدارات کی تاکید کرتا رہتا، اور یہ واقعہ اس امر کی دلیل ہے کہ ابوطاہر عموماً بغداد آیا جایا کرتا تھا۔

۲۱۔ کہتے[4] ہیں کہ ابوالعلاء جب بغداد جاتے ہوئے دریائے فرات میں کشتی پر سوار ہوا، تو انبار تک کشتی صحیح وسلامت پہنچ گئی، جہاں سے ایک اور نہر دریائے دجلہ سے جا ملتی ہے اور بغداد پہنچاتی ہے۔ مگر چونکہ یہ راستہ اس موسم میں ناقابل سفر تھا، اس لیے کسی اور راہ (۰۰۰) سے قادسیہ پہنچی، الخ مارگولیوتھ صاحب کی تحریر میں اس سے بڑھ کر حیرت انگیز اور مضحکہ خیز غلطی شاید اور کوئی نہ ہو۔ بھلا قادسیہ سے جو بادیہ میں واقع ہے، اور کوفہ سے ایک مرحلہ پر ہے، کشتی سے کیا سروکار، کیا یہاں بھی یورپ کے آلات جر ثقیل کی مدد سے کشتی کو خشکی پر چلا دیں گے، بہت اچھا مگر اس خشکی کے شہر پر ٹیکس وصول کرنے والے کہاں سے آئے کہ وہ تو بندرگاہوں پر متعین ہوتے ہیں، کیا انھیں وائرلیس کے ذریعہ یہ اطلاع پہنچ گئی تھی کہ ابوالعلاء کی کشتی قوت اعجاز کی مدد سے خشکی پر چلنے والی ہے۔

---

[1] رسائل صفحہ ۳۰۔ اذ کانت عند طلاب العلم بمدینۃ السلام کشجی العری لا یسقط ورقہ الخ [2] رسائل ۴۲ [3] ایضاً ص ۳۱ [4] م ۲۱۔

یہ لفظ قادسیہ ہے، بالقاف والراء جو نہر عیسیٰ کے کنارے محول کے بعد بغداد سے دو فرسنگ کی مسافت پر ایک گاؤں ہے، تبریزی کی شرح السقط مسمّی الایضاح السقط وضوءیہ میں یہ لفظ اسی طرح بالقاف والراء ہے، یہاں قادسیہ کا نام ایک گاؤں جو سامرا کے قریب نہر وجیل پر واقع ہے، مراد نہیں لیا جا سکتا کہ جب ابوالعلاء کے لیے یہ ممکن ہے، کہ بغداد کے ایک قریبی اسٹیشن پر اتر سکے۔ تو دور جانے سے کیا فائدہ، افسوس کہ ڈاکٹر طٰہٰ نے بھی مارگولیوتھ کی کورانہ پیروی کی ہے، (دیکھو ذکری صفحہ ۱۳۰) اشتباہ کا باعث سقط کے یہ دو بیت ہیں۔

سارت فزارت بنا الانبار سالمۃ — تزجی وتدفع فی موج ودفاع

والقادسیۃ ادتہا الی نفر — طافوا بہا فاناخوہا بجعجاع

تمام نسخ سقط اور طبعۂ تنویر میں بھی یہ قادسیہ ہی ہے، اور یہ تصحیف وتحریف کوئی آج کی نہیں، بلکہ اب سے کوئی ساڑھے آٹھ سو سال پیشتر شیخ برہان الدین ابو المظفر ناصر الدین ابن ابی المکارم عبد السید المطرزی بھی (جو سقط کو اپنے والد کے ذریعہ ابو المکارم الابہری سے جو ابوالعلاء کے مشہور ترین شاگرد ہیں، روایت کرتے ہیں) اسی تحریف میں مبتلا ہو گئے تھے، حتیٰ کہ ایک فاضل نے انھیں ٹوکا کہ حضرت یہ الفارسیہ ہے، نہ کہ القادسیہ مگر جب وہ بضد ہوئے تو وہ ان کو خوارزم کے ایک علامہ کے پاس لے گیا، جس نے اس فاضل کے حق میں فیصلہ کیا، غلطی تو بارع سے بھی سرزد ہوئی تھی، مگر انھوں نے ابوالعلاء کے جہاز کو کشتی پر چڑھانے کی جانکاہ زحمت نہ اٹھائی، یہ ہمہ مارگولیوتھ صاحب ہی نے سر کی۔

۲۲۔ یہ امر مسلّم ہے، کہ ابوالعلاء کے ایک لائبریرین ابو منصور نامی سے دوستانہ تعلقات موجود تھے، جن کا ثبوت رسالہ نمبر ۱۹ سے ملتا ہے، جس میں علاوہ طول طویل دوستانہ اشتیاق کے اس امر کا بھی اظہار ہے، کہ میں نے ایک لزومیہ قصیدہ بحر طویل میں بھیجا تھا، نہ معلوم وہ پہنچا یا نہیں۔ یاقوت اور ابن حجر دونوں بزرگوں نے ابو منصور محمد بن احمد بن طاہر بن حمد الخازن کا ترجمہ دیا ہے۔

جو نوخی صغیر کے تلمیذ تھے، اور ان کی ولادت سنہ ۴۱۲ھ میں اور وفات سنہ ۵۱۰ھ میں واقع ہوئی تھی،

یاقوت نے غرس النعمہ کی کتاب سے ایک دلچسپ حکایت نقل کی ہے کہ شاپور بن اردشیر وزیر بہاؤ الدولہ دیلمی کے کتبخانہ میں ابو منصور نامی ایک لائبریرین متعین تھا، شاپور کی وفات کے بعد کتبخانہ کی سرپرستی شریف مرتضیٰ کے متعلق ہوئی، انھوں نے ابو منصور کے ساتھ ابو عبد اللہ بن حمد کو متعین کیا، ابو عبد اللہ آفت کا پرکالہ تھا، ہمیشہ ابو منصور کی تضحیک کی فکر میں رہا کرتا تھا، حتیٰ کہ اس نے ابو منصور سے کہا کہ حضرت کتابیں تو اب تباہ ہوگئیں، وہ بولے کیوں؟ کہا پسوؤں کی خباثت سے لہٰذا آپ فوراً سید مرتضیٰ کو اطلاع دیں تاکہ وہ آپکو پسوؤں کے فنا کرنے کی دوا دیں، جو ان کے یہاں ہمیشہ تیار رہتی ہے، یہ بھولے بھالے فرشتے لپکے ہوئے سید مرتضیٰ کے ہاں آدھمکے، اور معصومانہ طور پر ماجرا عرض کیا، اس پر مرتضیٰ نے کہا "ارے پسوؤں سے ارے پسوؤں سے! خدا ابن حمد کو سنوارے اسے ہمیشہ شرارت و تمسخر ہی کی سوجھتی ہے، آپ جائیں، اور آئندہ کبھی ابن حمد کی نہ سنیں" یاقوت نے اس بات پر حیرت کا اظہار کیا ہے، کہ اس میں ابن حمد کی کنیت بجائے ابو منصور کے ابو عبد اللہ بتائی گئی ہے، نیز اس پر کہ ابن حمد کی ولادت سنہ ۴۱۲ھ میں ہوئی ہے، اور مرتضیٰ کی وفات سنہ ۴۳۶ھ میں سو ابن حمد تیرہ چودہ سال کی عمر میں کیونکر اس عہدۂ جلیلہ پر متمکن ہو سکتا تھا۔

اب ذرا مارگولیوتھ صاحب کے چار دعوے سنیے جو حیرت انگیزی میں اپنی آپ ہی نظیر ہیں۔

(ا) علاوہ رسالہ نمبر ۱۹ کے سقط[1] کا طائیہ قصیدہ جس کا عنوان "بنام خازن دار العلم بغداد" ہے۔ انہی کو مخاطب کرتا ہے، اور (ب) رسالہ[2] نمبر ۱۹ میں جس قصیدہ کے ارسال کا ذکر ہے اس سے یہی طائیہ مراد ہے، (ج) ابو العلاء[3] کا ابو منصور وہی ہے، جس کا یاقوت نے بنام محمد ابن احمد الخ کا ترجمہ دیا ہے، (د) یاقوت[4] کا تعدد کنیت پر شک ظاہر کرنا سراسر وہم ہے۔

۱؎ حاشیہ ۲ ترجمہ رسالہ نمبر ۱۹ ۲؎ ایضاً ۳؎ حاشیہ معجم الادبار ۶ × ۳۵۸ ۴؎ ایضاً
ایضاً × ۳۶۰۔

یہ تھا دعاوی فارغہ کا مجموعہ، حیرت ہے کہ ان میں نہ عقل سے کام لیا گیا ہے، اور نہ علم سے، بھلا جب وہ ادباء میں اپنی آنکھوں سے اس کا سنہ ولادت سنہ ۴۱۶ھ کو دیکھ رہے ہیں، اور پھر خود ہی مقدمہ میں لکھتے ہیں، کہ ابو العلاء بغداد میں ابو منصور سے ملا تھا سنہ ۳۹۹ھ میں تو یہ کیسے ممکن ہوا کہ وہ اپنی ولادت سے ۱۷ سال پیشتر کم از کم جوان ہو کر ابو العلاء کا دوست بنا، ان ہذا الاختلاق سقط کا طائیہ رسالہ نمبر ۱۹ کے مذکورہ لزومیہ سے کیونکر مراد ہو سکتا ہے، کہ طائیہ سقط میں ہے، جس میں لزوم کے دو شعر بھی نہیں ہیں، رہا طائیہ کا مخاطب تو ابو منصور کے بجائے ابو احمد عبد السلام کا ہونا کہیں زیادہ قرین قیاس ہے، جن کا ابو العلاء کی تالیفات میں بارہا ذکر آیا ہے، اور یاقوت کو وہم سے نسبت دینا محض خالی خولی دعوی کی بنا پر کیونکر روا ہو سکتا ہے، آئیے اب یہ ناچیز نو سو سال کے کثیف پردوں کو چشم زدن میں الٹ دیتا ہے، و للہ الحمد علی ذالک۔

یہاں تین تاریخی شخص ہیں۔ (ا) ابو العلاء کے دوست ابو منصور، خازن دار الکتب القدیمہ جن کا نام بتصریح ابو العلاء محمد بن علی ہے، اور جو صاحب اسمٰعیل کی مجلس میں آمد و رفت رکھتے تھے، اور بڑے زبردست ادیب و لغوی تھے، انھوں نے لغت میں الشامل لکھی ہے، جو سنہ ۴۱۶ھ میں ان سے پڑھی گئی تھی، اصل میں یہ رے کے باشندے تھے، مگر اصفہان میں ایک عرصہ رہے تھے، غرس النعمہ کی حکایت میں ابو منصور سے یہی مراد ہے (ب) ابو منصور ابن حمد جن کا ترجمہ یاقوت اور ابن حجر نے دیا ہے۔ ان کو ابو العلاء سے ذاتی طور پر کوئی واسطہ نہیں، ہاں ان کے نام کا محمد ہونا نیز ان کے نام کے ساتھ لفظ خازن کا استعمال ہونا، یقیناً وہم کا باعث بنا ہے، ہم جزماً کچھ نہیں کہہ سکتے کہ یہ کس کتب خانہ کے خازن تھے، یا سرے سے ان کو خازنی سے نسبت دینا ہی وہم ہے، (ج) ابو منصور ابن حمد کے برادر ابو غالب ابن حمد الخازن، ان کا نام بھی بدقسمتی سے محمد ہی ہے، لیزیگ یونیورسٹی لائبریری میں شعر ابی دہبل الجمحی کا ایک نہایت قدیم نسخہ محفوظ ہے، جس کے اول و آخر کے ورقوں پر

متعدد ائمہ کے خطوط سماع ثبت ہیں، جن میں ان ابو غالب الخازن نے قاضی تنوخی صغیر سے دیوان مذکور پڑھتے ہوئے تمام شرکائے درس علما کے اسامی دیے، جن میں ان کے برادر ابو منصور ابن حمد کا نام بھی بدون لفظ خازن مذکور ہے، کیا یہ ممکن نہیں کہ ابو غالب خازن ہو جس طرح ان خطوط میں موجود ہے، اور ابو منصور نہ ہو. اور اس کو اپنے سابق کے ساتھ اتحاد اسمی کی بنا پر خواہ مخواہ غلطی سے خازن بنا دیا گیا ہو، بظاہر غرس النعمہ کا ابو عبد اللہ ابن حمد ہی ابو غالب ہو، جس طرح ابو غالب کے لہجہ سے معلوم ہوتا ہے، کہ وہ ابو منصور ابن حمد کا برادر بزرگ ہے، سو ممکن ہے کہ اس کی دو کنیتیں ہوں بدیں صورت یاقوت کا کم سنی کا اشکال بھی رفع ہو جائے گا، کہ ہم نے ابو منصور صاحب ابی العلاء کے ساتھ دوسرا خازن اس کمسن کے برادر مہتر ابو غالب کو قرار دیا ہے۔ فتخلصت قاعبة من قوب ولله الحمد خطوط سماع کے فوٹو کے لیے ملاحظہ ہو جرنل آر، اے، ایس، ۱۰۱۶، ۵، ۱۰۰۵، ۱۹۱۰ء میں نے یہ مضمون ایک معقول اضافہ کے ساتھ اپنے مضمون مطبوعہ اورینٹل کالج میگزین لاہور۔ فروری ۱۹۲۵ء سے لیا ہے۔

(باقی آئندہ)

تبع تابعین

جلد اوّل

تبع تابعین مرتبہ مولانا حافظ مجیب اللہ ندوی سابق رفیق دار المصنفین کا پہلا اڈیشن عرصہ سے ختم تھا۔ شائقین کی طلب پر اس کا دوسرا اڈیشن چھپ کر تیار ہو گیا ہے۔ اس میں امام ابو حنیفہ کے جلیل القدر تلامذہ کے علاوہ امام اوزاعی، ابن جریج اور عقیل بن عیاض وغیرہ کے سوانح اور ان کے علمی و مذہبی و اخلاقی حالات۔ اور ان کے مجتہدات کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ شروع میں تبع تابعین کے پورے دور پر ایک بہت مفصل مقدمہ بھی ہے۔

قیمت :- ۲۸ روپیہ

مولانا سید سلیمان ندوی رح
کی
سیرۃ النبی جلد سوم پر ایک نظر

از ضیاء الدین اصلاحی

مولانا سید سلیمان ندوی رح کے علمی، تصنیفی اور تحقیقی کارناموں میں سب سے اہم اور مہتم بالشان کارنامہ سیرۃ النبی ہے، جس کی ابتدائی دو جلدیں ان کے استاد مولانا شبلی رح کے قلم سے ہیں، لیکن آخری پانچ جلدوں کی تالیف و تکمیل انھوں نے کی ہے، اس مضمون میں تیسری جلد کے متعلق اظہار خیال مقصود ہے، جو سید صاحب کی تحریر کردہ پہلی جلد ہے، اس میں "دلائل و معجزات اور عقلیات جدیدہ" کا باب مولانا عبد الباری ندوی نے لکھا ہے، جو ص ۱۱ تا ۲۱ تک درج ہے، اور بقیہ تمام ابواب مولانا سید سلیمان ندوی رح نے لکھے ہیں۔

اس جلد کا موضوع رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات ہیں، اس میں معجزہ کی حقیقت اس کے امکان و وقوع اور اس کی غرض و غایت پر قرآن مجید، احادیث، قدیم و جدید فلسفہ اور علم کلام کی روشنی میں بحث کی گئی ہے اور خارق عادت افعال و اعمال اور معجزات کو عقلاً" بھی محال اور مستبعد نہیں بتایا گیا ہے، پھر نبوت کے عام خصائص اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات و خصائص کا مفصل تذکرہ ہے، اس کی ترتیب و تالیف، واقعات کی تلاش و تحقیق اور مسائل و مباحث کی بحث و تفتیش میں جو کاوش، دیدہ ریزی اور نکتہ آفرینی کی گئی ہے اس کا صحیح اندازہ تو اس کے مطالعہ ہی سے ہو سکتا ہے۔

تاہم ذیل میں اس کی کچھ کچھ جھلک دکھانے کی کوشش کی گئی ہے، سب سے پہلے اس کے مندرجات و مشمولات کا ایک اجمالی خاکہ اور مختصر خلاصہ پیش کیا جاتا ہے۔

اس جلد کے شروع میں ایک مختصر مقدمہ ہے، اس میں معجزات کے متعلق نہایت اہم اور بنیادی باتوں کا مجمل تذکرہ ہے، پہلے یہ دکھایا گیا ہے کہ مادی عالم کے خاص نظام کی طرح روحانی عالم کا بھی ایک خاص نظام ہوتا ہے، پھر نبوت کا مفہوم اور اس کی ضرورت واضح کی ہے، اور پیغمبرانہ فرائض کی ادائگی میں انبیا علیہم السلام سے بحکم الٰہی مافوق العادت افعال و اعمال اور معجزات کے صادر ہونے کی وجہیں بتائی ہیں، اور یہ بتایا ہے کہ معجزات کے لئے قرآن و حدیث کے اصطلاحی الفاظ کیا ہیں، اسکے بعد انبیا کی سیرتوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ سے معجزات کے تعلق کی وضاحت کی ہے،

اس تمہید کے بعد اصل کتاب شروع ہوتی ہے، اس میں پہلے فلسفہ قدیم، علم کلام اور جدید فلسفہ میں معجزات کی نسبت جو کچھ کہا گیا ہے، اس پر مبسوط بحث کی گئی ہے، اس میں یہ بھی بتایا ہے کہ ان مسائل کی بحث و تحقیق اسلامی عہد میں کب اور کس طرح ہوئی، پھر فارابی اور دوسرے حکماء و متکلمین اسلام امام رازی، حافظ ابن تیمیہ، امام ربانی مجدد الف ثانی اور شاہ ولی اللہ وغیرہ کے خیالات نقل کئے ہیں، اور اسلام کے دو بڑے فرقوں معتزلہ اور اشاعرہ کے نقطہ نظر اور انکے باہمی اختلاف کی کہیں کہیں تشریح بھی کی ہے، اسکے بعد دلائل و معجزات کے متعلق فلسفہ جدیدہ کا نقطہ نظر پیش کیا گیا ہے، اور مغربی حکماء کے خیالات زیر بحث لائے گئے ہیں، دونوں حصوں میں فلاسفہ قدیم و جدید کے دلائل پر نقد و تبصرہ بھی کیا گیا ہے۔

معجزات کے متعلق انسانی افکار و نظریات کی وضاحت کے بعد ان کا مقدمہ قرآنی عدالت میں پیش کیا گیا ہے کیونکہ مسلمانوں کے نزدیک ہدایت و ارشاد کا اصلی سرچشمہ وہی ہے، اس سے جو کچھ معجزات کے بارہ میں معلوم ہوتا ہے، اس کی تفصیل بیان کر کے معجزات کی غرض اور ان کی ظاہری و باطنی دو قسموں، اور ہر قسم کے اثرات و نتائج کے بارہ میں قرآنی طرز فکر کی وضاحت کی گئی ہے، اس کے بعد

آیات و دلائل کی تفصیل قرآن مجید سے پیش کی ہے، اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام مافوق بشری سوانح و واقعات کا ذکر ہے، جن کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ جو لوازم نبوت ہیں، اور کم و بیش ہر پیغمبر کو وہ ایک ہی طرح پیش آئے ہیں، ان کا نام خصائص النبوۃ ہے، دوسری قسم میں وہ جزئی واقعات ہیں، جو ہر پیغمبر سے اس کے زمانہ کے حالات کے مطابق مختلف صورتوں میں صادر ہوئے ہیں، اور جن کو اصطلاح عام میں معجزات کہتے ہیں۔

پہلی قسم میں نبوت کے عام خصائص کا ذکر ہے، اس کے شروع میں بتایا ہے کہ جس طرح ہر جنس اور ہر نوع کی کچھ نہ کچھ خصوصیات ہوتی ہیں، جن سے وہ اپنے غیر سے ممتاز ہوتی ہے، اسی طرح نبوت کی بھی خصوصیتیں ہیں، جو اس کے لئے بمنزلہ لوازم حقیقت کے ہیں، مثلاً خدا نے کسی نہ کسی طرح ان کو اپنے کلام سے مفتخر فرمایا۔ اور اپنے احکام سے مطلع کیا، ان کے ادراک و احساس کی قوتوں کو اس قدر بلند کیا کہ عام انسانوں کو جو چیزیں نظر نہیں آتیں وہ ان کو نظر آتی ہیں، عام بشر جن آوازوں کو نہیں سن سکتے وہ ان کو سنائی دیتی ہیں، ملائکہ الٰہی خدا کے قاصد بن کر ان کے پاس آتے ہیں، ان کے خواب و بیداری کا ایک ہی عالم ہوتا ہے، کیونکہ گو ان کی آنکھیں سوتی ہیں۔ لیکن ان کے دل نہیں سوتے اور ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی نشانیوں میں سے کوئی نہ کوئی نشانی بھی عطا فرمائی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم افضل الرسل اور خاتم النبیین تھے اسلئے ان خصوصیات میں سے ہر خصوصیت کا وافر حصہ آپؐ کو عنایت ہوا تھا، اور یہ خصائص آپ کی سیرت میں دوسرے انبیاءؑ کی سیرتوں سے بیشتر اور کامل تر نظر آتے ہیں، خود قرآن مجید سے ان خصائص کا مختلف انبیاءؑ میں کم و بیش ہونا ثابت ہے، اسکے بعد انبیاء کے ان خصائص کا تذکرہ ہے، مکالمہ الٰہی، وحی، نزول ملائکہ، عالم رؤیا، مشاہدات، مسموعات، عالم بیداری، اسریٰ یا معراج، شق صدر یا شرح صدر
اس سلسلہ میں یہ بھی بتایا ہے، کہ ان خصائص میں سے اللہ تعالیٰ نے سب سے زیادہ وحی اور نزول ملائکہ

پر زور دیا ہے۔

خصائص کے بعد انھوں نے عام معجزات کا ذکر کیا ہے، اور استناد و ماخذ کی حیثیت سے ان کو تین ابواب میں تقسیم کیا ہے، پہلے ان معجزانہ واقعات کا ذکر ہے، جو نص صریح یا اشارۃً قرآن مجید میں مذکور ہیں، اس بحث کی ابتدا میں یہ بھی واضح کیا گیا ہے، کہ قرآن مجید میں آپ کے تمام معجزات کا تفصیلی ذکر کیوں نہیں ہے، پھر قرآن مجید سے آپؐ کے صاحبِ معجزہ ہونے کو ثابت کیا ہے، اس کے بعد قرآن سے نصاً ثابت ہونے والے آپؐ کے مندرجۂ ذیل معجزات کا ذکر ہے، معجزۂ قرآن، امیت (نوشت وخواند سے ناآشنا ہونا)، ذات نبوی کی عصمت وحفاظت، لیلۃ الجن، شق قمر اور غلبہ روم کی پیشین گوئی۔

ان اہم دلائل ومعجزات کی تشریح کے بعد وہ قرآن مجید سے اشارۃً ثابت ہونے والے آپؐ کے اُن معجزات کو بیان کرتے ہیں، شہب ثاقب کی کثرت، طیرًا ابابیل کی نشانی، قریش پر قحط کا عذاب، ہجرت اور غزوہ بدر کے موقع کی نشانیاں وغیرہ۔ قرآن مجید کے بعد انھوں نے صحیح روایات واحادیث سے ثابت شدہ معجزات کی تفصیل تحریر کی ہے، ان کی تعداد زیادہ ہے، مگر انھیں مندرجۂ ذیل عنوانات کے تحت نقل کیا گیا ہے،

علامات نبوت قبل بعثت، اشیاء میں اثر، شفائے امراض، استجابت دعا، اشیاء میں اضافہ، پانی جاری ہونا، اخبار غیب یا پیشین گوئی، اس کے بعد ان معجزات نبوی کا ذکر ہے، جو غیر مستند اور ناقابل اعتبار روایتوں میں مذکور ہیں، مصنف نے ان روایتوں پر محدثانہ حیثیت سے نقد وجرح کر کے انکی تضعیف و تردید کی ہے، پھر کتب سابقہ کی وہ بشارتیں اور پیشین گوئیاں درج ہیں، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد و بعثت کے متعلق ان کتابوں میں مذکور ہیں، اور سب سے آخر میں خصائص محمدیؐ کا باب ہے جو خصائص النبوۃ کے علاوہ ہے، اس میں ان امور کا ذکر ہے، جو آپ کی ذات کے ساتھ مخصوص تھے، ان کی دو قسمیں ہیں، (۱) ایک وہ جو صرف آپؐ کیلئے تھے، اور آپؐ کی امت میں سے کسی اور کیلئے نہیں تھے

دوسرے وہ جو صرف آپؐ کو عطا ہوئے، اور دوسرے انبیا کو مرحمت نہیں ہوئے، معجزات کی طرح خصائص میں بھی ارباب سیر کی توسیع و کثرت کا ذکر کر کے اس پر نقد وبحث کی گئی ہے۔

سیرۃ النبیؐ جلد سوم کے مباحث کا یہ اجمالی تعارف تھا، ذیل میں اس کی بعض خصوصیات کو نمایاں کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

صحیح نقطہ نظر سیرۃ النبیؐ کی تمام جلدوں کی ایک اہم اور ممتاز خصوصیت ان کے نقطۂ نظر کی صحت و درستگی ہے، اس جلد کی بھی نمایاں خصوصیت ہے جو سب سے پہلے قاری کو اپنی جانب متوجہ کرتی ہے۔ ذیل میں اس کی مختصر وضاحت کی جاتی ہے۔

عام لوگوں نے معجزات کو نبوت کے لوازم میں سمجھ لیا ہے، جو صحیح نہیں ہے، اس غلطی کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بکثرت غلط باتیں بطور معجزہ منسوب کر دی گئی ہیں، مولانا سید سلیمان ندویؒ نے ان غیر مستند روایات کی پر زور تردید کی ہے، اور مشہور عام دلائل و معجزات کی روائتی حیثیت پر مفصل بحث و نقد کیا ہے، اور بتایا ہے کہ یہ روایتیں زیادہ تر کتب دلائل میں مذکور ہیں جو صرف معجزات کے ذکر کے لئے لکھی گئی ہیں، ان کتابوں نے معجزات کی جھوٹی روایتوں کا ایک انبار لگا دیا ہے، انہی سے میلاد و فضائل کی تمام کتابوں کا سرمایہ مہیا کیا گیا ہے، خوش اعتقادی اور عجائب پرستی نے ان غلط معجزات کو اس قدر شرف قبول بخشا ہے، کہ ان کے پردہ میں آپؐ کے تمام صحیح معجزات چھپ کر رہ گئے، اور حق و باطل کی تمیز مشکل ہو گئی۔ (صفحہ ۳۰)

اس کثرت سے یہ عجیب اور حیرت انگیز مواد اس لئے فراہم کیا گیا ہے کہ خاتم المرسلینؐ کے مناقب و فضائل کے ابواب میں معتد بہ اضافہ کیا جاسکے، یہ روایتیں اس لیے زیادہ مشہور ومقبول ہوئیں کہ واعظوں اور میلاد خوانوں نے جو عموماً علم سے محروم ہوتے ہیں، اور جن کی دسترس صحیح روایات تک نہیں ہوتی، اور ادھر گرمی محفل اور شور احسنت کے لئے ان دلچسپ اور عوام کو

فریب دینے والی باتوں کو بیان کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ (صفحہ ۴۲۹)

اس افراط کے مقابلہ میں معجزات کے باب میں بڑی تفریط بھی کی گئی ہے، قرآن مجید میں انبیائے سابقین کے معجزے جس قدر تفصیل و تکرار کے ساتھ بیان ہوئے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزے اس قدر تفصیل اور تکرار سے مذکور نہیں ہیں، اس سے مخالفین اسلام نے یہ نتیجہ نکالا کہ پیغمبر اسلام کو سرے سے معجزہ دیا ہی نہیں گیا، اور دوسری طرف خود مسلمانوں کے عقل پرست فرقہ کو دھوکا ہوا کہ اسلام نے خوارق عادات کے ظہور سے انکار کیا ہے، کیونکہ جب اس کے نزدیک خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ان سے خالی تھی تو گذشتہ انبیاء کے سوانح میں جو اعجاز نظر آتا ہے، وہ سمجھنے والوں کا قصور فہم ہے۔ (صفحہ ۵۰۵) بعض لوگوں کا خیال ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حسی معجزات نہیں دئے گئے، بلکہ معنوی معجزات دئے گئے، اور آپؐ کا اصلی معجزہ قرآن مجید ہے۔

مولانا سید سلیمان ندوی نے اس نقطہ نظر کی تردید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ قرآن مجید میں آپؐ کے تمام معجزات کا تفصیلی ذکر نہ کئے جانے کی وجہیں حسب ذیل ہیں۔

(۱) اسلام نے نبوت کی تصدیق کے لیے ظاہری و مادی معجزات کو اہمیت نہیں دی ہے، وہ زیادہ تر انسانوں کو غور و فکر، فہم و تدبر اور سوچ سمجھ کی دعوت دیتا ہے، اور نبوت کی اندرونی خصوصیات و روحانی دلائل کو ایمان و تصدیق کی بنیاد قرار دیتا ہے، اس بنا پر اس کا اپنے پیش کرنے والے کی سچائی کے ثبوت میں، اس کے خوارق و معجزات کو تفصیل و تکرار کے ساتھ ہر جگہ پھیلانا اور دہرانا اس کے اصول کے خلاف تھا۔

(۲) گذشتہ انبیاء کو چند محدود، گنی ہوئی اور متعین شکل کی نشانیاں دی گئی تھیں، قرآن مجید نے انہی نشانیوں کا بار بار ذکر کیا ہے، اس تفصیل و تکرار سے کوتاہ بینوں کو ان پیغمبروں کی یہ نشانیاں دکھائی دیتی ہیں، اس کے برعکس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو نشانیاں عطا ہوئیں، وہ اس قدر

متنوع مختلف اور غیر محدود تھیں کہ ان کے تذکرے کے وقت ایک ہی نشانی کو بار بار پھیلانے اور دہرانے کی حاجت نہ تھی، اس لئے یہ دلائل قرآن مجید میں جابجا بکھرے ہوئے ہیں اور دوسرے پیغمبروں کے معجزوں کی طرح نمایاں نہیں ہیں اس لیے کوتاہ بیں لوگوں کو وہ نظر نہیں آتے۔

(۳) اسلام کے نزدیک ہر قسم کے معجزات، خوارق اور نشانیاں پیغمبر کی قوت و اختیار کے بجائے خدا کی قدرت اور اس کے ارادہ و مشیت سے ظہور پذیر ہوتی ہیں، اس بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دلائل و آیات ذات محمدی کی طرف منسوب ہو کر نہیں بلکہ قدرت الٰہی کی طرف منسوب ہو کر بیان ہوئے ہیں، اس لیے عام لوگوں کا ذہن ان کو دلائل محمدیؐ سمجھنے کی طرف مائل نہیں ہوتا۔

(۴) دوسرے مذاہب کے پاس ایک ہی مستند چیز یعنی ان کا صحیفہ ہے جس میں ربانی احکام، پیغمبروں کے اقوال، حالات و سوانح اور معجزات وغیرہ سب کچھ ملے جلے ہیں لیکن اسلام کے پاس ایک تو صحیفہ الٰہی ہے جس میں خدائی احکام و مطالب ہیں، دوسرے سنت و حدیث جس میں پیغمبر کے حالات، اقوال اور معجزات وغیرہ الگ الگ مذکور ہیں، اور وہ روایتی استناد کے لحاظ سے دوسرے مذاہب کے صحیفوں سے کہیں بلند تر ہے اس لئے خدا نے پیغمبر کے دلائل و معجزات کو عدم اہمیت کی وجہ سے اپنے صحیفہ میں جگہ دینے کی ضرورت نہیں سمجھی بلکہ اس کے لیے احادیث کے مستند ذخیرہ روایات کو کافی قرار دیا۔ (سیرۃ النبی جلد سوم صفحہ ۵۰۶ و ۵۰۷)

اس کے بعد وہ قرآن مجید سے آپ کا صاحب معجزہ ہونا ثابت کرتے ہیں جس کی ایک دلیل یہ بیان کی ہے کہ قرآن مجید میں آپ کے متعلق آپ کے زمانہ کے کافروں کے جو اقوال تردید کی غرض سے منقول ہیں، ان میں آپ کو نعوذ باللہ کاہن اور ساحر کہا گیا ہے اور قرآن مجید پر سحر کا الزام لگایا ہے، عرب میں کاہنوں کا کام پیشین گوئی کرنا اور غیب کا حال بتانا تھا، اور ساحر کی نسبت تو

عام طور پر معلوم ہے کہ وہ عوام کے نزدیک عجائب خوارق کا پیکر ہوتا ہے، اس سے سید صاحبؒ یہ ثابت کرتے ہیں کہ اگر امور غیب کی قبل از وقت آپؐ اطلاع نہ دیتے اور خوارق و معجزات کا صدور آپؐ سے نہ ہوا کرتا تو کفار آپؐ کو کاہن اور ساحر کے خطابات سے کیوں یاد کرتے (صفحہ ۵۰۰ و ۵۰۹) اس کے بعد انھوں نے آپؐ کے ان آیات دلائل کو جو قرآن کے اوراق میں منتشر ہیں، ایک خاص ترتیب کے رشتہ میں منسلک کیا ہے، اور ان کو تینؔ قسموں میں منحصر کیا ہے۔

۱۔ ایک کفار کی ہدایت و دعوت اور مسلمانوں کی مزید ایمانی تسلی کے لیے معجزانہ نشانیاں۔

۲۔ مصیبتوں کی گھڑیوں میں تائیدات غیبی کا ظہور۔

۳۔ وہ پیشین گوئیاں جن کا لفظ لفظ صداقت کے معیار پر صحیح اترا۔ (صفحہ ۵۱۰)

اس بحث کی ابتدا قرآن مجید سے کی ہے کیونکہ آپ کو سب سے بڑا معجزہ جو پیش گاہ الٰہی سے مرحمت ہوا وہ یہی تھا، سید صاحبؒ نے مختلف حیثیتوں سے اس کا معجزہ ہونا ثابت کیا ہے۔ اسکے بعد جیساکہ اوپر گذرا قرآن مجید میں مذکور دوسرے آیات و دلائل کی سوؔ سے زائد صفحات میں وضاحت و تفصیل کی ہے۔

یہ تفصیل اس لئے پیش کی گئی ہے تاکہ یہ بات پوری طرح ظاہر ہوجائے کہ معجزات کے بارے میں اس کتاب کا نقطۂ نظر کس قدر صحیح اور افراط و تفریط کے بجائے اعتدال پر مبنی ہے، اور جیساکہ پہلے بتایا جاچکا ہے، کہ اس پوری جلد کا موضوع معجزات و دلائل ہے، اس پر گویا پوری کتاب میں اسی صحیح نقطۂ نظر اور قرآنی و اسلامی تصور کی جھلک موجود ہے۔

معجزات کا مسئلہ مابعد الطبیعاتی ہے، اور گو معجزات و خوارق سے دنیا کا کوئی مذہب خالی نہیں، مگر عقل پرستوں نے سب سے زیادہ اسی کو ہدف بنایا ہے، اور اس میں شبہہ نہیں کہ ایسے مابعد الطبیعاتی مسئلہ کو ایمانی ذوق اور وجدان سلیم کے بغیر تنہا عقل اور مادی حواس کی مدد سے سمجھنا مشکل ہے۔

اس لیے مصنف نے اس کی تفہیم کے لیے نہایت معتدل اور صحیح نقطۂ نظر اختیار کیا ہے، اور معجزات و خوارق عادت کے ثبوت کے لیے عقلی و نقلی دونوں طرح کی دلیلیں پیش کی ہیں، اس کے علاوہ اس مسئلہ پر اس کتاب میں جس نہج اور طریقہ سے بحث کی گئی ہے، اور اس سلسلہ میں جو دلائل بیان کئے گئے ہیں، نیز کتاب کی ترتیب و تبویب جس ڈھنگ پر کی گئی ہے اس سے بھی مصنف کے صحیح طرز فکر، درست نقطۂ نظر، معتدل انداز بیان اور کتاب کے سلجھے ہوئے طریقہ کا پتہ چلتا ہے۔

۲۔ صحیح اصطلاحات | اسی ضمن میں یہ بات بھی نقل کے لائق ہے کہ بعض غلط اصطلاحات جو رواج پاگئی ہیں، مصنف نے نقطۂ نظر کی صحت و درستگی کی بنا پر ان کی تصحیح کی ہے، اور ان کی جگہ صحیح اصطلاح پر زور دیا ہے، انھوں نے اس سلسلہ میں اس نکتہ کی طرف خاص طور پر توجہ دلائی ہے کہ خوارق عادت اور انبیائے کرام سے جو مافوق العادت کیفیات و اعمال صادر ہوتے ہیں، ان کے لیے عام طور پر معجزہ کا لفظ بولا جاتا ہے، مگر یہ اصطلاح غلط ہے، مولانا سید سلیمان ندویؒ نے اس کی غلطی کی کئی وجہیں بتائی ہیں۔

(۱) قرآن مجید اور احادیث میں معجزہ کا لفظ نہیں ہے، بلکہ اس کی جگہ آیت (نشانی) اور برہان (دلیل) کے الفاظ مستعمل ہیں جو اپنے مفہوم و منشا کی بہتر طور پر وضاحت کرتے ہیں، اسی لیے متقدمین علما اور محدثین نے بھی اس کے لیے دلائل اور علامات کے الفاظ استعمال کئے ہیں، اور اسی عنوان سے انھوں نے اس فن پر کتابیں بھی لکھی ہیں۔ (صفحہ ۶)

(۲) معجزہ کے لفظ کے استعمال نے کچھ ذہنی لوازم پیدا کر دئے ہیں، اور عام خیال یہ بن گیا ہے، کہ معجزہ خود نبی کا فعل ہے، جو اس کے اعضاء و جوارح سے صادر ہوتا ہے، اور یہ نبوت کی حقیقت میں داخل ہے، یہ دونوں باتیں نہ صرف یہ کہ غلط ہیں، بلکہ معجزہ پر جو عقلی اعتراضات کئے جاتے ہیں وہ دراصل اسی لفظ کے غلط استعمال کی وجہ سے کئے جاتے ہیں، (ص ۱۰) سید صاحبؒ نے اس پر بڑی محققانہ بحث کی ہے کہ نبوت اور معجزات میں کوئی تلازم نہیں، اور یہ آثار و دلائل اصل نبوت سے خارج ہیں، نبوت کے اصل لوازم وحی، مکالمۂ الٰہی، تزکیہ، انذار، تبشیر، تعلیم اور ہدایت ہیں، اسی لیے

قرآن مجید نے عموماً معاندین کے معجزہ طلب کرنے پر نبوت کی اصل حقیقت کی طرف ان کو متوجہ کیا ہے۔ مثلاً

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا	اور جن کو علم نہیں وہ کہتے ہیں، خدا خود ہم کو
يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ كَذٰلِكَ	کیوں باتیں نہیں کرتا یا ہمارے پاس کوئی
قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ	نشانی کیوں نہیں آتی، ان سے پہلے لوگوں
قَوْلِهِمْ ..... تَشَابَهَتْ	نے بھی اسی طرح کہا تھا دونوں کے دل
قُلُوْبُهُمْ قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ	ایک ہی قسم کے ہو گئے، ہم نے تو نشانیاں
لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ	ان لوگوں کے لیے کھول دی ہیں جو یقین
بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلَا	کرتے ہیں، اے محمد! ہم نے تجھکو سچائی دیکر
تُسْئَلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ	نیکو کاروں کو خوشخبری سنانے والا اور بدکاروں کو ڈرانے
(البقرہ ۱۴)	والا بنا کر بھیجا ہے، (جنکو اب بھی یہ نشانیاں نظر نہیں)
	تو ان دوزخیوں کا حال تجھ سے نہ پوچھا جائیگا۔

دوسری جگہ ہے:-

وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ	اور وہ کہتے ہیں کہ اس پر اس کے پروردگار
مِّنْ رَّبِّهٖ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ	کی طرف سے نشانیاں کیوں نہیں اترتی ہیں،
وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ	کہدے کہ نشانیاں تو خدا کے پاس ہیں، اور
اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ	میں تو کھلا ہوا ڈرانے والا ہوں، کیا ان
يُتْلٰى عَلَيْهِمْ (عنکبوت ۵)	کافروں کو یہ نشانی کافی نہیں کہ ہم نے تجھ پر
(ص ۲۶۰، ۲۶۱)	کتاب اتاری جو ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہے۔

(۳) نبوت کے تمام خواص و کیفیات، مشاہدات و اعمال خارق عادات و غیر خارق عادت کی

تعبیر کے لیے معجزہ کا لفظ جامع و کافی نہیں ہے، اس کے لیے وہی اصطلاح صحیح اور موزوں ہو سکتی ہے۔ جو قرآن مجید نے استعمال کی ہے، (ص ،،)

ان وجہوں سے مولانا سید سلیمان ندویؒ فرماتے ہیں، کہ صحیح طریقہ تو یہ ہے کہ ہم اس کتاب میں صرف قرآن مجید کی اصطلاح آیت، برہان اور محدثین کی اصطلاح علامات اور دلائل کو اختیار کریں، تاکہ ہمارا مفہوم زیادہ صحیح طریقہ سے اور زیادہ وسیع طور سے ادا ہو سکے، لیکن چونکہ ہماری زبان میں معجزہ کا لفظ عام طور پر چل گیا ہے اس لئے اس کو یک قلم ترک بھی نہیں کیا جا سکتا۔ (ص ۲)

اسی طرح شق صدر کی رائج اصطلاح کے مقابلہ میں وہ شرح صدر کی اصطلاح کو صحیح قرار دیتے ہیں، معراج کے واقعہ میں آپؐ کے شق صدر کا وہ مطلب بیان کرنے کے بعد جو علمائے ظاہر اور صوفیائے حقیقت نے اس کا بتایا ہے، فرماتے ہیں، ہمارے نزدیک صحیح اصطلاح شرح صدر ہے، جیسا کہ صحیح مسلم باب الاسراء میں حضرت مالک بن صعصعہؓ کی روایت میں مذکور ہے۔

فَشُرِحَ صَدْرِيْ اِلٰى كَذَا وَكَذَا	میرا سینہ یہاں سے یہاں تک کھولا گیا۔

اور قرآن کی اس سورہ میں جیسا کہ ترمذی میں ہے اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ	کیا ہم نے تیرے لیے تیرے سینہ کو کھول
وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ	نہیں دیا اور تجھ سے تیرے اس بوجھ کو ہٹا
الَّذِيْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ (انشراح)	نہیں دیا، جس نے تیری پیٹھ کو توڑ دیا۔

اس کے بعد وہ شرح کی لغوی تشریح کر کے اپنے مفہوم کو اس طرح واضح کرتے ہیں کہ شرح کے لغوی معنی "چیرنے پھاڑنے" کے ہیں، اسی سے طب کی اصطلاح علم تشریح اور تشریح اجسام نکلی ہے، چونکہ چیرنے اور پھاڑنے سے اندر کی چیز کھل کر نمایاں ہو جاتی ہے، اسی لیے اس سے تشریح امر اور تشریح کلام، شرح بیان اور شرح کتاب وغیرہ مجازی معنی پیدا ہوئے ہیں، اسی سے ایک

اور محاورہ "شرح صدر" کا پیدا ہوا ہے، جس کے معنی سینہ کھول دینے کے ہیں، اور کلام عرب میں اس سے مقصود بات کا سمجھا دینا، اور اس کی حقیقت کا واضح کر دینا ہوتا ہے، قرآن مجید اور احادیث میں یہ محاورہ بکثرت استعمال ہوا ہے، حضرت موسیٰ کو جب فرعون کے پاس جانے کی ہدایت ہوئی تو آپ نے دعا مانگی۔

رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ وَيَسِّرْ لِيْ	پروردگار! میرے سینہ کو کھول دے
أَمْرِيْ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ	اور میرے کام کو آسان کر دے اور
يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ ۝ (طٰہٰ) (ص ۴۹۹)	میری زبان کی گرہ کھول دے کہ لوگ
	میری بات کو سمجھیں۔

اس جلد کے موضوع پر ایک اعتراض اور اس کا جواب،

بعض کوتاہ بین لوگوں نے نہ صرف اس جلد بلکہ ان سب جلدوں کے موضوع کے بارہ میں اعتراض کیا ہے، جن کو مولانا سید سلیمان ندوی نے تحریر کیا ہے، اس اعتراض کا حاصل یہ ہے کہ سیرت کی ان جلدوں پر مباحث و موضوعات کا سیرت سے کوئی تعلق نہیں ہے، حالانکہ خود سلسلہ سیرت کے بانی مولانا شبلیؒ کے پیش نظر بھی یہی تنوع تھا، اور وہ اسے محض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوانح و مغازی کے ذکر تک محدود نہیں رکھنا چاہتے تھے، چنانچہ نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خان شروانیؒ کو ایک مکتوب میں لکھتے ہیں۔

"چاہتا ہوں کہ ہر قسم کے مطالب سیرت میں آجائیں، یعنی تمام مسائل مہمات پر ریویو، قرآن مجید پر پوری نظر، غرض سیرت نہ ہو، بلکہ انسائیکلوپیڈیا ہو، اور نام بھی دائرۃ المعارف النبویہ موزوں ہوگا۔ گو لمبا ہے، اور ابھی میں نے فیصلہ نہیں کیا۔" (مکاتیب شبلی جلد اول صفحہ ۲۰۲)

مولانا سید سلیمان ندوی نے سیرت کی ترتیب و تالیف میں اسی اصول کو مدنظر رکھا اس لئے اس کے مباحث میں پورا تنوع اور بڑی وسعت ہے، اور یہ انکا بڑا کارنامہ ہے کہ انھوں نے اس کے اندر

اسلام کی تمام تعلیمات و ہدایات کا مکمل احاطہ کر لیا ہے، اس مضمون میں اور جلدوں سے قطع نظر صرف تیسری جلد کے بارہ میں اعتراض کا جواب دینا مقصود ہے انھیں خود بھی اس اعتراض کا پتہ تھا، اور انھوں نے جا بجا اس کا ذکر کئے بغیر ہی اسکا جواب بھی دیا ہے، اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ انہی کا جواب نقل کر دیا جائے، وہ اس جلد کے آغاز ہی میں لکھتے ہیں۔

"سیرت نبوی کا یہ حصہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان حالات، مشاہدات اور کیفیات کے بیان میں ہے جن کا تعلق اُس عالم سے ہے جو ہمارے اس مادی عالم اور اس کے مادی قوانین کے حدود سے باہر ہے۔" (ص ۱)

وہ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید اور دیگر صحف آسمانی میں انبیائے سابقین علیہم السلام کے جو قصص اور واقعات مذکور ہیں، ان میں ان کے روحانی حالات و کیفیات یعنی دلائل و براہین، اور آیات کا ذکر نہایت موثر اور عبرت انگیز طریقہ سے کیا گیا ہے، سیر ملکوت، مکالمہ الٰہی، رویت ملائکہ، رویائے صادقہ، استجابت دعا، طوفان نوح، آتش خلیل، عصائے موسیٰ، نفس عیسیٰ، اور اس قسم کے اور بھی بہت سے کیفیات و حالات کا ذکر قرآن مجید میں بار بار آیا ہے، اور ان کے ساتھ ان کے عواقب اور نتائج بھی نہایت تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں، اس سے ثابت ہوتا ہے، کہ انبیاء علیہم السلام کی سیرت سے ہر زمانہ میں ان چیزوں کو خاص تعلق رہا ہے، اور اس وجہ سے وہ ان کے واقعات زندگی کا جز لاینفک ہو گئے ہیں۔" (ص ۲)

انبیاءؑ کی زندگی گوناگوں واقعات کا مجموعہ ہوتی ہے، مگر نتائج کے لحاظ سے ان تمام واقعات کا مرکز صرف یہ ہوتا ہے، کہ اس خاکدان کو اخلاق ذمیمہ کے خس و خاشاک سے پاک کر کے محاسن اخلاق کے گل و ریحان سے آراستہ کیا جائے، اس مقدس فرض کو ادا کرنے میں، اگرچہ کبھی کبھی انبیاء کو مادی آلات سے بھی کام لینا پڑتا ہے، لیکن وہ لوگ اکثر اپنی روحانی طاقت سے اس مقصد میں کامیاب ہوتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید نے ان کے واقعات زندگی میں ان کے دلائل و آیات کو نہایت

اہمیت دی ہے، اور ان کے ذکر سے گویا انبیاءؑ کے تمام حالات زندگی کو سلسلۂ اسباب وعلل سے مربوط کر دیا ہے۔ (ص ۳)

ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں۔

"قرآن مجید میں اکثر انبیاءؑ کے سوانح وحالات کے ضمن میں ان آیات اور معجزات کا بھی بیان ہے، جو ان کو خدا کی بارگاہ سے عطا ہوئے تھے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیات دلائل انبیاءؑ کے سوانح کا ضروری جز ہیں" (سیرۃ النبیؐ جلد سوم صفحہ ۲۱۱)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ سے دلائل ومعجزات کا تعلق اس طرح بیان کرتے ہیں،

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت تمام انبیاءؑ کے واقعات زندگی کا خلاصہ، ان کی تعلیمات کا عطر اور ان کے حالات ومشاہدات کا برزخ ہے، آپ ایک عالمگیر اور ابدی مذہب لیکر مبعوث ہوئے تھے، ... اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذات کو ان تمام معجزات کا مجموعہ بنا دیا، جو اعلیٰ قدر مراتب ہر طبقہ، ہر فرقہ اور ہر گروہ کے لیے ضروری تھے، آپؐ کے اخلاق وعادات معجزہ تھے، آپ کی تربیت معجزہ تھی، آپؐ پر جو کتاب نازل ہوئی اس سے بڑا کوئی معجزہ نہیں ہو سکتا تھا، ان کے علاوہ آپؐ کی روحانی طاقت نے جسم اور روح دونوں کی کائنات میں بہت کچھ اثر ڈالا ... آپ کی زندگی کا سب سے بڑا فرض اسلام کی اشاعت ہے، اور روئے انور نے نگاہ کیمیا اثر نے، تقریر دلپذیر نے، اخلاق اعجاز نما نے آیات ودلائل بن کر بہت سے لوگوں کو شرف بہ اسلام کیا ہے؟ غرض آپؐ کی پیغمبرانہ زندگی کے ہر منظر میں یہ دلائل، یہ براہین، یہ آیات، یہ معجزات اسباب ظاہری کے پہلو بہ پہلو اسباب حقیقی بن کر رونما ہوتے رہے ہیں۔" (صفحہ ۹ و ۱۰)

ان اقتباسات سے ان لوگوں کا اعتراض باد ہوا ہو جاتا ہے، جو معجزات کو سوانح نبوی کا جز نہیں سمجھتے۔

قرآن مجید پر مصنف کی وسعت نظر | سیرۃ النبیؐ کی تمام جلدوں کا اولین وبنیادی ماخذ قرآن مجید ہے، اس جلد میں بھی اسی کتاب حکیم کو اولیت دی گئی ہے، سید صاحب کو قرآن مجید سے خاص شغف تھا۔ اور اس پر اور اس کے متعلقہ علوم پر ان کی نظر نہایت وسیع اور گہری تھی، اس جلد کی مختلف بحثوں سے قرآن مجید اور اس کے علوم میں ان کی مہارت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اور اس میں جابجا قرآنی مسائل ونکات کی تشریح کی گئی ہے، ذیل کی مثالوں سے قرآن مجید میں ان کی دسترس کا اندازہ ہوگا۔

قرآن مجید میں معراج کا ذکر سورۂ اسرا جس کو سورہ بنی اسرائیل بھی کہا جاتا ہے میں آیا ہے عام خیال یہ ہے کہ معراج کا بیان اس کی صرف چند ابتدائی آیات ہی میں ہے، لیکن مولانا سید سلیمان ندویؒ، رائے عام کے برخلاف یہ فرماتے ہیں۔

"لیکن ہم نے اس سورہ کو شروع سے اخیر تک بار بار پڑھا، اور ہر بار اس یقین کے ساتھ ختم کیا کہ یہ پوری سورہ معراج کے اسرار وحقائق، نتائج وعبر اور احکام اور اعلانات سے معمور ہے، سب سے پہلے ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اس سورہ کے جلی عنوانات کیا ہیں۔

۱۔ یہ کہ اعلان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نبی القبلتین (یعنی کعبہ اور بیت المقدس دونوں کے پیغمبر ہیں۔

۲۔ یہود جو اب تک بیت المقدس کے اصلی وارث اور اس کے نگہبان وکلید بردار بنائے گئے تھے، ان کی تولیت اور نگہبانی کی مدت حسب وعدۂ الٰہی ختم کی جاتی ہے، اور آل اسمٰعیلؑ کو ہمیشہ کے لیے اس کی خدمتگزاری سپرد کی جاتی ہے۔

۳۔ کفار قریش کو اعلان کہ تمہارے پند وموعظت کا عہد گزر گیا، فیصلہ حق کے ثبوت کے لیے جس عذاب کو تم مانگتے تھے، اب وہ آتا ہے، کہ رسول اب ہجرت کرتے ہیں۔

۴۔ رسولوں کی سنت کے مطابق اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجرت کا اذن دیا جائیگا۔ جس کے بعد نافرمان قوم پر عذاب آئے گا۔

۵۔ معراج کے احکام و شرائع (۶) نماز پنجگانہ کی فرضیت ۔ ۔ ۔ نبوت، قرآن، قیامت اور معجزات پر اعتراضات کے جواب (۸) حضرت موسیٰؑ کے حالات اور واقعات سے استشہاد (سیرۃ النبیؐ جلد سوم۔ صفحہ ۴۵۳ و ۴۵۴)

ان جلی عنوانات کو لکھکر انھوں نے ہر ایک کی تفصیل و توضیح کی ہے، اور اپنے نقطۂ نظر کے ثبوت کے لیے اس سورہ کی آیتوں سے جو استدلال کیا ہے، اس سے بھی قرآن مجید میں ان کی وسعت نظر اور گہری بصیرت کا پتہ چلتا ہے۔

اس بحث کے دوسرے عنوان "بنی اسرائیل کی مدت تولیت کا اختتام" کی وضاحت میں سورہ اسرائیل کے پہلے رکوع کی آیات (وَآتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ الیٰ قولہ وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكَافِرِينَ حَصِيرًا) کو نقل کرکے ایک دلچسپ نکتہ کی نشاندہی فرماتے ہیں۔

"یہ سورہ مکہ میں نازل ہوئی تھی، وہاں بنی اسرائیل سے تعلقات نہ تھے، اسی لیے مکی سورتوں میں بنی اسرائیل کو عموماً مخاطب نہیں کیا گیا ہے، یہ پہلا موقع ہے کہ خود اسرائیل کو مخاطب کیا جارہا ہے کیونکہ اب اسلام کے نئے دور کا آغاز ہونے والا ہے، اور آپ کو مدینہ کی طرف ہجرت کی اجازت ملنے والی ہے، جہاں ان سے تعلقات کا آغاز ہوگا، اور ان کو از سرِ نو خدا کے سامنے اپنی شرمساری کے اظہار کا موقع ملے گا، اور خدا ان پر اپنی رحمت کا دروازہ کھولے گا، لیکن اگر انھوں نے قبولِ حق سے انکار کیا تو ان کے لیے پھر وہی سزا ہے، جو ان کو اس سے پہلے دو دفعہ مل چکی ہے، لیکن افسوس کہ انھوں نے علما اس موقع سے فائدہ نہیں اٹھایا، اور حق کو قبول نہیں کیا، حالانکہ خدا نے ان سے کہا:۔

وَاَوْفُوْا بِعَهْدِیْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ　تم میرا عہد پورا کرو تو میں تمھارا عہد پورا کروں گا۔ (بقرہ ۵۔)

اس لئے خدا نے ان پر رحمت کا دروازہ نہیں کھولا اور ان کو تیسری دفعہ بھی وہی سزا ملی اور

(مدینہ، خیبر، اذرعات وغیرہ سے بے دخل کر دئے گئے، اور بیت المقدس کی تولیت مسلمانوں کے سپرد کی گئی۔" (صفحہ ۴۵۸ و ۴۵۹)

مسلمانوں میں جو لوگ خرقِ عادت اور خلافِ اسباب و علل کے محال ہونے پر قرآن مجید کی ان آیتوں سے استدلال کرتے ہیں، جن میں سنتِ الٰہی کے عدم تغیر و تبدل کا ذکر ہے، سید صاحب ان لوگوں کو دانستہ یا نادانستہ مفہوم قرآن کی تحریف کا مجرم قرار دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ "قرآن مجید میں سنتِ الٰہی کا ایک خاص مفہوم ہے، اور اسی اصطلاح خاص میں یہ لفظ کئی جگہ قرآن مجید میں استعمال ہوا ہے، خیر و شر، حق و باطل، نور و ظلمت اور ظلم و انصاف جب باہم ٹکراتے ہیں تو بالآخر اللہ تعالیٰ خیر کو شر پر، حق کو باطل پر، نور کو ظلمت پر اور انصاف کو ظلم پر فتح اور کامیابی عطا کرتا ہے، گنہگار اور مجرم قومیں جب حق کی دعوت قبول نہیں کرتیں اور پند و موعظت ان کے لئے موثر نہیں ہوتی، تو اللہ تعالیٰ ان قوموں پر اپنا عذاب نازل کرتا ہے، اور وہ بالآخر کبھی کڑک آسمان کی گرج، زلزلہ کی تھرتھراہٹ، آندھی کی گھڑگھڑاہٹ، دریا کے طوفان، پہاڑ کی آتش فشانی یا دشمن کی تلوار سے ہلاک و برباد ہوجاتی ہیں، یہ سنتِ الٰہی ہے، جو ہمیشہ سے قائم ہے، اور ہمیشہ قائم رہے گی، اور اس میں کبھی کوئی فرق پیدا نہ ہوگا، قرآن مجید میں جہاں جہاں یہ لفظ آیا ہے، اسی مفہوم میں آیا ہے۔" (صفحہ ۲۷۹ و ۲۸۰)

مولانا سید سلیمان ندویؒ اسی ضمن میں فطرۃ اللہ کا صحیح مفہوم بھی بیان کرتے ہیں کیونکہ اسے بھی خرقِ عادت اور خلافِ اسباب کے محال ہونے کے ثبوت میں پیش کیا جاتا ہے، وہ کہتے ہیں کہ اس موقع پر آیتِ فطرت کو پیش کرنا قرآن مجید کی معنوی تحریف ہے، کیونکہ اس کی اصطلاح میں فطرۃ اللہ سے مقصود توحید ہے، جس کو وہ دینِ فطری سے تعبیر کرتا ہے، اگر آیت پیشِ نظر ہو تو یہ مفہوم خود بخود آئینہ ہوجاتا ہے، ملاحظہ ہو۔

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ (روم ۴)

سو باطل سے ہٹ کر اپنے کو دین پر سیدھا قائم رکھ، وہی اللہ کی فطرت جس پر اس نے لوگوں کو بنایا ہے، خدا کے بنائے میں بدل نہیں، یہی سیدھا دین ہے، لیکن بہت لوگ نہیں جانتے۔

اس قرآنی اصطلاح کی مزید وضاحت کے لیے انھوں نے وہ مشہور حدیث نقل کی ہے، جو حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کل مولود یولد علی الفطرۃ فابواہ یھودانہ او ینصرانہ او یمجسانہ الخ یعنی ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے، لیکن ماں باپ اسے یہودی نصرانی اور مجوسی بنا دیتے ہیں، (سیرۃ النبی جلد سوم صفحہ ۲۸۲)

کفار مکہ نہایت اصرار سے معجزات طلب کرتے تھے، مگر قرآن مجید نے ان کے مطالبہ کو یا تو رد کر دیا، یا معجزہ کے ظہور میں تاخیر کا ذکر کیا، مولانا سید سلیمان ندویؒ نے اس پر طویل بحث کر کے اس کے جو وجوہ و مصالح تحریر کئے ہیں، ان سے قرآن مجید پر ان کی امعان نظر اور وسعت مطالعہ کا اندازہ ہوتا ہے، اس لئے ہم اسے یہاں پیش کرتے ہیں۔

۱۔ معجزات کے ذریعہ سے جو لوگ ایمان لاتے ہیں ان کا ایمان محض جبری، تقلیدی اور بالواسطہ ہوتا ہے، وہ لوگ اپنے دل میں انبیاء کے محاسن تعلیم کا کوئی خاص ذوق نہیں پاتے، صرف معجزات کی قوت اور عجوبگی ان کو متحیر اور مبہوت کر دیتی ہے، حالانکہ انبیاءؑ کی تعلیم کا سب سے بڑا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ان کی جماعت میں ایسے افراد شامل ہوں جو شریعت کے رمز شناس اور اس کے اسرار و حکم سے ذوق آشنا ہوں، یہی حالت ہے، جس کو قرآن مجید نے "شرح صدر" اور "انشراح قلب" سے تعبیر کیا ہے۔

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ (انعام ۱۰)

جس کو خدا ہدایت دینا چاہتا ہے اس کے سینہ کو قبول اسلام کے لیے کھول دیتا ہے۔

وہ بتاتے ہیں کہ اس قسم کے لوگوں کے لیے معجزات کی ضرورت نہیں ہوتی ان کے لیے آفتاب و ماہتاب، آسمان و زمین، دن اور رات، غرض دنیا کا ایک ایک ذرہ معجزہ ہوتا اور خدا کے وجود، خدا کی وحدانیت اور پیغمبر کی نبوت پر بلاواسطہ دلالت کرتا ہے، ان کے لیے صرف تفکر و بصیرت کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہی گروہ ہے، جس پر سب سے زیادہ انبیاء کی نگاہ انتخاب پڑتی ہے، اور وہ ان کو صرف تفکر و اعتبار کی ترغیب دیتے ہیں، اس گروہ کے بالمقابل ایک کور باطن فرقہ اور بھی ہوتا ہے، جس پر نظام فطرت کے دوسرے شواہد و آیات کی طرح معجزات کا بھی کوئی خاص اثر نہیں پڑ سکتا۔

انبیاء کو ابتدائے بعثت میں ان ہی دو گروہوں سے سابقہ پڑتا ہے اور چونکہ فطرۃً ایک معجزات سے بے نیاز ہوتا ہے، اور دوسرے پر معجزات کا کوئی اثر نہیں پڑ سکتا، اس لئے ان دونوں گروہوں کے لیے معجزات بیکار ہوتے ہیں، اور اس بنا پر انبیاء ان کے پیش کرنے سے انکار کرتے ہیں۔

اسی نکتہ کو خداوند تعالیٰ نے اس آیت اور دوسری آیتوں میں بیان کیا ہے،

قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا تُغْنِي الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ (یونس ۱۰۰)

کہہ کہ دیکھو آسمان و زمین میں کس قدر نشانیاں ہیں اور نشانیاں اور ڈرانے والے تو اس قوم کے لیے کچھ بھی مفید نہیں جو ایمان نہیں لانا چاہتی۔

۲۔ بعض دفعہ معاندین ایسی نشانیوں کے طلبگار ہوتے ہیں، جن کے بارے متحمل قوت انسانی کے دوش و بازو نہیں ہو سکتے خدا کا خود انسانوں کے سامنے آنا، خدا کا خود ہر انسان سے باتیں کرنا، فرشتوں کا نظر آنا، آسمان سے کوئی مجسم کتاب اتارنا، بازیگر کی طرح پیغمبر کا آسمان پر چڑھنا، کفار کی طرف سے جب اس قسم کے معجزات طلب کئے جاتے ہیں تو انبیاءؑ کو ہمیشہ انکار کرنا پڑتا ہے اور اس انکار کا منشا خود منکرین کی فطرت ہے، مولانا سید سلیمان ندویؒ اس مفہوم کی متعدد آیتیں نقل کرنے کے بعد تیسری وجہ یہ بتاتے

۲۔ مادیت کی ترقی کے زمانہ میں تمام فضائل و محاسن کا مرکز صرف دولت، جاہ اور مال و اسباب ہوتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ عام لوگ اخلاق و عادات، تمدن و معاشرت، رسم و رواج غرض تمام چیزوں میں امرا کی تقلید کرتے ہیں، لیکن انبیا ہمیشہ اپنی معاشرت، اپنی وضع، اپنے لباس غرض اپنی ایک ایک ادا سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ فضائل کا منبع صرف روح ہے، اور زخارف دنیوی سے ان کو کوئی تعلق نہیں، اسی بنا پر جب منکرین انبیا سے اس قسم کے معجزات طلب کرتے ہیں جو امرا کے ساتھ مخصوص ہیں، تو ان کو عموماً انکار کرنا پڑتا ہے، سورۂ فرقان میں ہے۔

وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ	اور ان لوگوں نے کہا کہ یہ پیغمبر کیوں کھاتا ہے،
يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ	اور کیوں بازاروں میں چلتا پھرتا ہے کیوں
لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ	اس پر ایک فرشتہ نہیں اترتا جو اس کے ساتھ
مَعَهٗ نَذِيْرًا اَوْ يُلْقٰٓى اِلَيْهِ	لوگوں کو ڈراتے، یا اس پر کوئی خزانہ کیوں
كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ يَّاْكُلُ	نہیں اتار اجاتا یا اس کے پاس کوئی باغ
مِنْهَا وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ	کیوں نہیں ہے، جس سے وہ کھاتے، اور
تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا	ظالموں نے کہا تم صرف ایک ایسے شخص کا اتباع
(فرقان - ۱)	کرتے ہو جس پر کسی نے جادو کر دیا ہے۔

۴۔ اس آیت سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے، کہ اس انکار کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ کفار کا عام خیال یہ تھا کہ خدا کی طرف سے جو قاصد بن کر آئے اس کو مرتبۂ بشریت سے بالاتر ہونا چاہیئے، اور اس کو بے انتہا خدائی قدرتیں حاصل ہونی چاہئیں، اس بنا پر جب اس قسم کے معجزے طلب کئے جاتے ہیں، جن سے اس ظن فاسد کی تائید ہوتی ہے، تو انبیاء ان سے انکار کرتے ہیں۔

قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ	کہہ میں یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس خدا کے خزانے ہیں،

وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ	اور نہ میں غیب کی باتیں جانتا ہوں اور
لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا	نہ میں نے یہ کہا کہ میں فرشتہ ہوں، میں تو
يُوْحٰٓى اِلَيَّ (انعام - ۵)	صرف وحی کا اتباع کرتا ہوں۔

۵۔ متحدی بہ معجزات جو کفار کے مطالبہ پر صادر ہوتے ہیں، ان کی تاخیر کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ ایسے معجزات پر ایمان نہ لانے کے بعد پیغمبر کو ہجرت کا حکم ہوتا ہے، اور منکرین کا گروہ ہلاک کر دیا جاتا ہے، چنانچہ اس کی مثالیں قوم نوح، نمرود، اور فرعون سے لیکر قریش تک کی تمام تاریخیں پیش کرتی ہیں، اور قرآن مجید نے اس کو تصریح بیان کر دیا ہے، حضرت صالح علیہ السلام کی امت نے ان سے نشانی طلب کی خدا نے کہا نشانی تمہیں دکھائی جائے گی، لیکن اس کے بعد بھی ایمان نہ لائے تو تمہاری ہلاکت یقینی ہے۔

وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ	اور ہم نے نشانیاں بھیجنا اس لئے موقوف
اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ	کیا کہ اگلوں نے اسکو جھٹلایا، اور ہم نے ثمود کو
وَاٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً	اونٹنی نشانی دی سمجھانے کو مگر انھوں نے
فَظَلَمُوْا بِهَا وَمَا نُرْسِلُ	اسکا حق نہ مانا، اور نشانیاں جو ہم
بِالْاٰيٰتِ اِلَّا تَخْوِيْفًا (بنی اسرائیل - ۶)	بھیجتے ہیں تو ڈرانے کو۔

لیکن جس طرح افراد کی موت و حیات کا ایک زمانہ مقرر ہے اسی طرح قوموں کی ہلاکت و بربادی کی بھی ایک خاص مدت متعین ہے، "وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ" (اعراف و یونس)، اسی لیے اس قسم کے معجزات کے ظہور میں اس مدت معینہ تک کے لئے تاخیر کی جاتی ہے اور پیغمبر اور معاندین دونوں اس کے منتظر رہتے ہیں۔

وَيَقُوْلُوْنَ لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ	اور وہ لوگ کہتے ہیں، کہ کیوں اس پر

آيَةٌ مِنْ رَبِّهِ فَقُلْ إِنَّمَا الْغَيْبُ
لِلَّهِ فَانْتَظِرُوا إِنِّي مَعَكُمْ مِنَ
الْمُنْتَظِرِينَ ۔ (یونس ۔ ۲)

خدا کی طرف سے کوئی نشان نہیں اترتا؟
کہہ کہ غیب صرف خدا کے ساتھ مخصوص ہے؛
تم لوگ اس کے ظہور کا انتظار کرو، میں بھی
تمہارے ساتھ منتظر ہوں۔

یہی سبب ہے کہ جن انبیاء کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کا مظہر اتم بنایا ان کے ہاتھوں سے تحدی اور مطالبہ کے معجزوں کے صدور میں تاخیر ہوتی جاتی تھی، حضرت عیسیٰؑ کے متعلق انجیل کی آیتیں گذر چکی ہیں کہ یوں تو ان سے بیسیوں معجزے سرزد ہوتے تھے، مگر تحدی اور مطالبہ کے معجزہ سے انھوں نے بالعموم انکار کیا کہ وہ بنی اسرائیل کو تباہ و برباد دیکھنا نہیں چاہتے تھے، یہاں تک کہ حواریین نے جب زیادت اطمینان اور ترقی ایمان کے لیے معجزہ کی فرمایش کی تو خدا نے جواب دیا۔

إِنِّي مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ فَمَنْ يَكْفُرْ
بَعْدُ مِنْكُمْ فَإِنِّي أُعَذِّبُهُ
عَذَابًا لَا أُعَذِّبُهُ أَحَدًا
مِنَ الْعَالَمِينَ ۔ (مائدہ ۔ ۱۵)

میں یہ آسمانی خوان تم پر اتار سکتا ہوں
لیکن اسکے بعد اگر تم میں سے کسی نے انکار
کیا تو میں اس کو ایسا سخت عذاب
دوں گا کہ دنیا میں کسی کو نہ دیا ہوگا۔

غرض کائنات روحانی کا یہی اصول پیش نظر تھا جس کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کفار کے مطالبہ کی پروا نہیں کرتے تھے، کیونکہ آپ جانتے تھے، کہ ان کے مطالبہ اور تحدی کے مطابق معجزہ آنے کے بعد ان کو پھر فرصت نہ دی جاسکے گی اور وہ برباد ہو جائیں گے، چنانچہ معاندین قریش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ معجزہ طلب کرتے تھے ۔ ۔ ۔ ۔ کہ فرشتوں کو ہماری آنکھوں کے سامنے لے آؤ، خدا نے کہا کہ اگر وہ سامنے اتر آئیں بھی تو انسانوں کی صورت میں آئیں گے، اور تم کو پھر وہی شبہہ ہو جائیگا، علاوہ ازیں قانون الٰہی میں یہ آخری حجت ہے، اگر فرشتے اتر آئے اور اس سے بھی تمہاری تسلی نہ ہوئی تو

تو پھر تم کو اس مطالبہ کے معجزہ کے بعد مہلت نہ مل سکے گی، اور تم ہلاک و برباد کر دیے جاؤ گے (حجر ۔ ۱)۔

۶۔ معاندین عموماً پیغمبروں کو جھوٹا جان کر یہ مطالبہ کرتے ہیں، کہ جس آخری معجزہ عذاب کی تم دھمکی دیتے ہو وہ آخر کب آئے گا، اور وہ جلد کیوں نہیں آتا؟ چونکہ اپنی نافہمی سے ان کو یقین ہوتا ہے کہ یہ معجزہ عذاب ظاہر نہ ہوگا، اس لیے وہ اس کا مطالبہ بار بار کرتے ہیں، تاکہ لوگوں میں پیغمبر کی رسوائی اور سبکی ہو، ہماری طرح اور لوگ بھی اس کو کاذب تسلیم کریں، چنانچہ قرآن مجید میں بار بار ہر قرن کے کافروں کے اس مقولہ کو دہرایا گیا ہے، اور اس کا جواب دیا گیا ہے، حضرت شعیبؑ کی امت نے کہا۔

وَإِنْ نَظُنُّكَ لَمِنَ الْكَاذِبِينَ
فَأَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِنَ
السَّمَاءِ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ (شعراء)

اور ہمارے خیال میں تم جھوٹے ہو۔
اگر سچے ہو تو ہم پر آسمان کا ایک
ٹکڑا گرا دو۔

لیکن اس کے لیے خدا کے یہاں ایک قانون مقرر ہے۔

لِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ إِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ
فَلَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلَا
يَسْتَقْدِمُونَ قُلْ أَرَأَيْتُمْ
إِنْ أَتَاكُمْ عَذَابُهُ بَيَاتًا أَوْ نَهَارًا
مَاذَا يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ الْمُجْرِمُونَ
أَثُمَّ إِذَا مَا وَقَعَ آمَنْتُمْ بِهِ
آلْآنَ وَقَدْ كُنْتُمْ بِهِ تَسْتَعْجِلُونَ
(یونس ۔ ۵)

ہر قوم کا ایک وقت مقرر ہے تو جب
اس کا مقررہ وقت آجاتا ہے تو پھر ایک
گھڑی وہ دیر کر سکتے ہیں اور نہ جلدی،
کہدے اے پیغمبر بھلا دیکھو تو اگر خدا کا
عذاب راتوں رات یا دن کو آپہنچے تو یہ گنہگار
جلدی کرکے کیا کرلیں گے، کیا جب آنے والا
واقعہ آجائے گا، تب تم ایمان لاؤ گے اب
ایمان لاتے ہو حالانکہ تم تو اسی کی جلدی کر رہے
تھے۔ (سیرۃ النبی جلد سوم صفحہ ۲۵۲ تا ۲۶۰)

خصائص نبوی کے باب میں مبشرات اور رویائے صالحہ پر بحث کے ضمن میں سورۂ یونس کی یہ آیت نقل کی ہے۔

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِى الْاٰخِرَةِ

ہاں! اولیائے الٰہی کو کوئی خوف اور غم نہیں، جو ایمان لائے، اور تقویٰ اختیار کرتے تھے ان کو دنیا اور آخرت میں بشارت ہے۔

اس آیت سے مولانا سید سلیمان ندویؒ نے دو باتیں خاص طور پر مستنبط کی ہیں، فرماتے ہیں۔

ایک یہ کہ ان مبشرات (خوشخبریوں) کے حصول کا ذریعہ ایمان اور تقویٰ کی تکمیل ہے، اور دوسری یہ کہ ایسے لوگوں کا نام جن کو یہ مرتبہ حاصل ہو اولیاء اللہ ہے اور اس لیے ان کے اس مرتبہ کا نام ولایت ہوگا، اس کو جزئی نبوت لغوی نبوت، مجازی نبوت، نبوت ناقصہ وغیرہ کے الفاظ سے ادا کرنا ایسی لفظی گمراہی ہے، جو معنوی گمراہی کی طرف مفضی ہے، اور اس سے شرک فی النبوۃ کی اسی طرح کی برائیاں پیدا ہوں گی بلکہ ہوئیں، اور ہو رہی ہیں، جس طرح حضرت عیسیٰؑ کو مجازی معنوں میں ابن اللہ کہکر حقیقی معنوں میں عیسائی شرک فی التوحید میں مبتلا ہو گئے، کیونکہ ہر قسم کی نبوتوں کا خاتمہ ہو چکا، دین کی تکمیل ہو چکی، دنیا میں خدا کا آخری پیغام دعوت محمدی کے ذریعہ سامعہ نواز ہو چکا، معمار قدرت اپنی عمارت میں اس آخری پتھر کو اپنی جگہ پر رکھکر اپنی تعمیر پوری کر چکا۔ درجہ بدرجہ ستاروں کے طلوع کے بعد وہ خورشید انور طالع ہوا، جس کے لیے غروب نہیں، طرح طرح کی بہاروں کے آنے کے بعد باغ کائنات میں وہ سدا بہار موسم آگیا جس کے بعد پھر خزاں نہیں۔" (سیرۃ النبیؐ۔ جلد سوم۔ صفحہ ۶۶۱ و ۶۶۲)

اس قسم کی بحثیں بکثرت ہیں جن کو طوالت کے خوف سے قلم انداز کر دیا گیا۔ (باقی)

محمد بن زکریا رازی کی کتاب الفاخر

از۔ جناب مولانا حکیم محمد زمان حسینی (کلکتہ)

یہ مقالہ طبی مخطوطات سمینار منعقدہ خدا بخش لائبریری پٹنہ بہار، منعقدہ ۲۹-۳۰-۳۱ مارچ ۱۹۸۴ء میں پڑھا گیا۔

۱۹۳۹-۴۰ء کی بات ہے، میں "شرح الاسباب والعلامات" کا طالب علم تھا کہ پہلی مرتبہ صداع ریحی کی علامات کے ذیل میں، دوران درس قرأت عبارت کے وقت۔ قال الرازی، فی الفاخر.... کی عبارت سامنے آئی اور اس کے بعد بار بار متعدد مواضع میں، الرازی فی الفاخر یا کتابہ المشہور بالفاخر کے الفاظ، دوران اسباق سامنے آتے رہے، اور حافظہ میں یہ حقیقت محفوظ ہو گئی کہ مشہور زمانہ، طبیبِ یگانہ محمد بن زکریا رازی (المتوفی سنہ ۳۲۰ھ) کی مصنفاتِ طب میں ایک اہم کتاب الفاخر بھی ہے۔

مرور ایام کے ساتھ، ساتھ طبی تدریس، اور اشتغال مطالعہ نے اس حقیقت کو اور استحکام عطا کیا کہ "الفاخر" رازی کی ایک اہم طبی اور فنی کتاب ہے، مگر چونکہ الفاخر خطی اور کم یاب ہے، اس لئے اس کی زیارت کی نوبت نہیں آئی تھی..... البتہ اس کی چند اہم عبارتیں ضرور پڑھنے کو بار بار ملی تھیں، جنھیں علامۂ روزگار، طبیب بے مثال "نفیس بن عوض کرمانی..... نے طبی

ابحاث کے ضمن میں "شرح الاسباب والعلامات" میں استشہاد کے لیے نقل کی ہیں، لیکن زیارت الفاخر کا شوق ہمیشہ میرے قلب میں کروٹیں لیتا رہا کہ اچانک فضل خداوندی نے اس کا بھی گھر بیٹھے اس خوش اسلوبی سے بندوبست کر دیا کہ فرط مسرت سے میں بالکل جھوم گیا۔ اور اس کی اس بے پایاں کرم پر سراپا سپاس بن گیا۔

میرے ایک برگزیدہ اور بزرگ کرم فرما۔ ملک کے نامور محقق اور فرد یگانہ ڈاکٹر محمد زبیر صدیقی مرحوم (متوفی ۱۹۷۶ء) صدر شعبۂ عربی و فارسی کلکتہ یونیورسٹی، نے اپنی وفات سے تقریباً سال بھر پہلے از راہ ذرہ نوازی حسب عادت، میرے کاشانہ طب قاسمی دواخانہ کولوٹولہ اسٹریٹ کلکتہ کو اپنی تشریف آوری سے رونق بخشی۔ یوں طرفین کی آمد و رفت از راہ مودت و محبت لگی ہی رہتی تھی اور علمی مذاکروں سے قلب و دماغ کو سرور بے پایاں حاصل ہوتا رہتا تھا۔ مگر آج کی ملاقات کے جلو میں ایک جدید مبارک اضافہ دکھائی پڑا۔ ڈاکٹر صاحب مرحوم نے میری میز پر ایک ضخیم مجلد، فل اسکیپ سائز سے کچھ سوا، رکھتے ہوئے فرمایا، کہ یہ کتاب "الفاخر" کا قلمی نسخہ ہے!

یہ سنتے ہی میرے منہ سے برجستہ یہ نکلا کہ محمد بن زکریا رازی کی!

کیونکہ ایک دوسرے مصنف عمر بن عبد المجید اندلسی، کی بھی اس نام کی ایک کتاب ہے۔ اس لیے میں نے یہ استفسار کیا، ڈاکٹر صاحب کا شاہکار کارنامہ "فردوس الحکمۃ" کی شکل میں برابر میرے ذہن میں گھومتا رہتا تھا، اس بنا پر میرا ذہن رازی ہی کی کتاب کی طرف فوراً منتقل ہو گیا۔

میرے اس استفسار پر ڈاکٹر صاحب تعجب و خوشی کے انداز میں کہنے لگے کہ تم تو ماہر نکلے! مجھکو بہت خوشی ہوئی۔ تم اسے دیکھ لو، دو چار دن کے بعد تم سے مشورہ کروں گا!

حکیم عبد الحمید صاحب دہلوی متولی ہمدرد دواخانہ نے مجھ سے خواہش کی ہے کہ میں اس کو

ایڈٹ کردوں، تاکہ وہ اس کی طباعت و اشاعت فرما سکیں، حکیم صاحب نے یہ بھی کہا ہے کہ صاحب فردوس الحکمۃ علی ابن ربن طبری کے یگانہ روزگار تلمیذ رشید رازی کی اس کتاب کی تحقیق و تنقید کا بجا طور پر آپ کو حق پہونچتا ہے، اس لیے کہ آپ نے اس کے استاذ کے بے نظیر سرمایۂ علمی کو محفوظ کر کے ارباب علم و فن کو ممنون کرم کیا ہے۔

میرے لیے یہی تقریب ہے، کتاب "الفاخر"[1] کی زیارت کی۔

اس کی تحقیق کے لیے ڈاکٹر صاحب اپنی ضعیفی اور پیری کی معذوری کی بنا پر مجھے اس کام میں اپنا معاون بنانا چاہتے تھے، جس کے لیے میں تیار تھا، لیکن نامساعد حالات و مقدرات کی بنا پر میں نہیں لگ سکا، اور دوسری متبادل شکل پر ڈاکٹر صاحب قادر نہ ہو سکے، تا آنکہ ان کی رحلت کا حادثۂ فاجعہ پیش آگیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

مجھے جب خدا بخش لائبریری کی جانب سے اس طبی سمینار میں شرکت کا دعوت نامہ ملا تو میں نے کتاب الفاخر کے تعارف اور اسکی قدر و قیمت پر چند سطریں حوالۂ قلم کرنے کا ارادہ کر لیا، مگر آغاز کار سے پہلے یہ لازم تھا کہ الفاخر کا خطی نسخہ پیش نظر ہونا چاہئے۔ کہ کتاب کا افتتاحیہ اور اختتامیہ اور ما فی الکتاب کا صحیح جائزہ لینا ممکن ہو سکے، اس دشواری پر قابو پانے کے لیے میں نے ڈاکٹر صدیقی مرحوم کے فرزند اکبر، ماہر امراض قلب، ڈاکٹر خالد صدیقی زیدت معالیہ کی طرف رجوع کیا تو معلوم ہوا کہ قبلہ حکیم عبد الحمید صاحب متولی ہمدرد دواخانہ دہلی کی تحویل میں "الفاخر" واپس جا چکی ہے، مگر کس مرحلہ میں ہے کچھ پتہ نہیں؟

تم نے حکیم عبد الحمید صاحب زید مجدہ کو دہلی خط لکھکر الفاخر کے بارے میں معلومات چاہی

---

[1] کتاب الفاخر ایک اور مصنف، عمر بن عبد المجید اندلسی، المتوفی ۵۶۷ھ کی بھی ہے جس کا پورا نام "الفاخر فی شرح جمیل عبد القادر" ہے۔ (ایضاح المکنون، ذیل کشف الظنون جلد ثانی ص ۱۵۴)

حکیم صاحب نے فوراً جواب دیا جو درج ذیل ہے ۔

حکیم عبدالحمید دہلی ۔ ۶ فروری ۸۶ء

مکرم حکیم صاحب ۔ وعلیکم السلام

کتاب الفاخر ابھی ایڈٹ نہیں ہو سکی ، اس کے تمام مسودات اوصاف صاحب کے پاس ہیں ، ان سے چند دن بعد معلوم کرنے کی کوشش کی جائے گی ۔ اور آپ کو مناسب جواب دیا جائے گا ۔

آپ کا مخلص
عبدالحمید

حکیم صاحب کے اس گرامی نامے کے بعد میں یکسو ہو گیا ۔ اور رجالِ طب کی کتابوں کی اوراق گردانی میں لگ گیا ۔ اس علمی جد و جہد اور کد و کاوش کے نتیجے میں جو معلومات حاصل ہوئیں وہ پیش کر رہا ہوں مجھے الفاخر کے سلسلہ میں بزرگوں کی تین طرح کی علمی روشین دکھائی پڑی ہیں جنھیں میں ترتیب وار بترتیبِ سنین بیان کرتا ہوں ۔

پہلی روش (الف) اقدم ترین ماخذ "کتاب الفہرست لابن ندیم" (المتوفی ۳۸۵ھ) ہے اس میں مصنف نے صفحہ ۴۱۶ تا صفحہ ۴۱۹ زکریا رازی کی ۱۲۰ مصنفات کی طویل فہرست دی ہے ، مگر ان کتابوں میں الفاخر کا ذکر نہیں ہے ۔

(ب) قاضی صاعد اندلسی (المتوفی ۴۶۲ھ) کی کتاب طبقات الامم ہے اس میں رازی کا دو جگہ تذکرہ ہے ، صفحہ ۵۳ اور صفحہ ۹۱ پر مگر انھوں نے صرف صفحہ ۹۱ پر یہ صراحت کی ہے کہ سو سے اوپر رازی کی کتابیں ہیں ، جن میں سے اکثر فن طب میں ہیں اور باقی علوم طبیعیات و الٰہیات میں ۔ بس اسی پر انھوں نے اکتفا کر لیا ہے ، اور فہرست کتب سے صرف نظر کیا ہے ۔

(ج) نظامی عروضی (المتوفی در حدود ۵۵۰ھ) نے چہار مقالہ ص ۶۰ ۔ ۵۹ پر محمد بن زکریا رازی کی ان کتابوں کا تذکرہ کیا ہے ، جو عروضی کی نگاہوں میں فنی اور طبی افادہ کے اعتبار سے مستند ہیں ۔ مثلاً (۱) مرشد ، (۲) منصوری (۳) حاوی ، (۴) تحفۃ الملوک ، الفاخر کے ذکر سے چہار مقالہ بھی خالی ہے ۔

(د) ظہیر الدین ابو الحسن علی ابن ابی القاسم زید البیہقی ، (المتوفی ۵۶۵ھ) انھوں نے بھی تتمہ صوان الحکمۃ میں رازی کے تذکرے میں بس یہی تحریر کیا ہے ، "واشتغل بعلم الطب حتی نسخت تصانیفہ تصانیف من قبلہ من الاطباء المتقدمین (تتمہ صوان الحکمۃ ص ۱) انھوں نے بھی فہرست کتب نہیں دی ہے ۔

(ہ) جمال الدین القفطی (المتوفی ۶۴۶ھ) انھوں نے بھی الفاخر کا ذکر نہیں کیا ہے ۔

(و) ابن خلکان (المتوفی ۶۸۱ھ) کی کتاب وفیات الاعیان جلد خامس صفحہ ۱۵۷ پر رازی کے تذکرے میں صرف یہ تحریر کیا ہے ، "ولہ مصنفات کثیرۃ"

(ز) طاش کبریٰ زادہ (المتوفی ۹۶۲ھ) نے مفتاح السعادہ جلد اول صفحہ ۳۰۴ پر رازی کا ذکر کیا ہے ، بیانِ فضائل و کمالات کے بعد تحریر فرمایا ہے ، "وتصانیفہ تبلغ مائۃ وست عشر من الکتب والرسائل فی الطب والفلسفۃ کلہا نافع فی بابہ انھوں نے بھی الفاخر کا ذکر نہیں کیا ہے ۔

(ح) موجودہ صدی کے ڈاکٹر غلام جیلانی خاں لاہوری نے تاریخ الاطباء میں رازی کی فہرست کتب میں الفاخر کا ذکر نہیں کیا ہے ،

منقولہ نو ماخذ میں بنیادی ماخذ ابن ندیم ہی ہے ، اس کی فہرست سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ "کتاب الفاخر" سے ناواقف ہے ، اور دوسرے بزرگوں نے بھی انہی کا تتبع کیا ہے ۔

پس ! ان حضرات کی یہ روش "عدم ذکر" کی ہوئی ۔

اس طریقہ سے الفاخر کے وجود کی نفی محسوس ہوتی ہے ، اس بنا پر محمد بن زکریا کی جانب اس کتاب کا

انتساب ان حضرات کے اعتبار سے درست نہیں ہوگا۔

دوسری روش | "عیون الانباء فی طبقات الاطباء" نامی کتاب تاریخ طب و اطباء کا بے مثال سرمایۂ تاریخی ہے۔ اس نامور مصنف ابن ابی اصیبعہ الخزرجی (المتوفی ۶۶۸ھ) ہیں۔ الفاخر کے بارے میں ان کی روش علمی تشکیکی ہے۔

محمد بن زکریا رازی کی فہرست کتب کی تعداد ان کے نزدیک ۱۹۱ ہے۔ اس فہرست میں انھوں نے صرف اسامی کتب کے نقل پر اکتفا نہیں کیا ہے، بلکہ مواد کتاب، درجۂ کتاب، انتسابِ کتاب پر موقع بموقع رائے زنی بھی کرتے جاتے ہیں۔ وہ زکریا رازی کے حقیقت پسند ہمدرد ہیں جس کا یوں پتہ چلتا ہے کہ رازی کی فہرست کتب میں ایک کتاب مسمی بہ "کتاب فیما یرد علیہ من اظہار ما یدعی من عیوب الاولیاء" کا جب ذکر آیا ہے تو اس موقع پر جوشِ حمایت میں تحریر فرماتے ہیں:

اقول وھذا الکتاب ان کان	یعنی یہ کتاب رازی کی نہیں ہے کسی سخت
قد الف واللہ اعلم فربما ان	دشمن نے لکھکر اس کو بدنام کرنے کے لیے
بعض الشریرین المعاندین للرازی	اس کی جانب منسوب کردی ہے تاکہ
قد الفہ ونسبہ الیہ لیسیئ	وہ بدنام ہوجائے۔ رازی اس قسم
من یری ذالک الکتاب	کی جعل سازی سے بہت بلند اور
او یسمع بہ الظن بالرازی	بری ہے۔ علی بن رضوان مصری وغیرہ
والا فالرازی اجل من ان یحاول	نے عناداً رازی کی تکفیر کا ذریعہ
ھذا الامر وان یصنف فی	اسی کتاب کو بنایا کیونکہ اس میں
ھذا المعنی وحتی ان بعض من	انبیاء کرام کی ہتک عزت کی گئی ہے۔
یذم الرازی بل یکفرہ کعلی بن	

رضوان المصری وغیرہ[1]
یسمون ذالک الکتاب کتاب
الرازی فی مخاریق الانبیاء۔[2]

ایسے ہمدرد محقق نے مصنفات رازی میں "الفاخر" کا نام شمار کیا ہے، مگر واقعی یہ کتاب رازی ہی کی ہے؟ اس باب میں انھیں تردد و شبہ ہے، جس کا انھوں نے اظہار یوں کیا ہے[3]

اقول وانما اثبت ھذا الکتاب	الفاخر کو میں رازی کی مصنفات میں محض
فی جملۃ کتبہم لکونہ قد نسب الیہ	اسی لیے برقرار رکھتا ہوں کہ اس کی
واشتہر انہ لہ[4]	نسبت اسی کی جانب لوگ کرتے ہیں، اور
	اسی کی شہرت ہوگئی ہے۔

افسوس! انھوں نے وجہ شک کی وضاحت نہیں کی ہے، جس سے نفس حقیقت پر کچھ روشنی پڑتی، اور ارباب علم مستفید ہوتے۔ اس تردد و شبہ کے باوجود انھوں نے مواد کتاب اور اس کی افادیت پر اظہار اطمینان کیا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں۔

وبالجملۃ فانہ "کتاب جید"	بہرصورت "الفاخر" نہایت ہی عمدہ کتاب
قد استوعب فیہ مولفہ	ہے، مولف نے اس میں نہایت جامعیت
ذکر الامراض ومداواتہا	وعمدگی سے بیماریوں اور اس کے ازالہ
واختیار معالجاتہا علی تمم	کی تدبیروں اور علاجوں کو سمیٹ کر
مایکون وافضلہ[5]	بیان کردیا ہے۔

---

[1] صفحہ ۳۲۰، عیون الانباء فی طبقات الاطباء جلد اول۔ [2] عیون الانباء فی طبقات الاطباء جلد اول، ص ۳۱۸ [3] ایضاً۔

اس کے بعد مندرجات کتاب پر فرماتے ہیں۔

وجمهور ما فيه منقول من كتاب التقسيم والتشجير للرازي ومن كناش ابن سرابيون وكل ما فيه من كلام الرازي فاوله قال محمد ......[1]

الفاخر میں کل مواد طبی محمد بن زکریا رازی کی کتاب "التقسیم والتشجیر" سے منقول اور کناش ابن سرابیون سے ماخوذ ہے، ان دونوں حضرات کے مضامین میں امتیاز یوں ہوتا ہے کہ رازی کے کلام کے آغاز میں قال محمد لکھا ہے۔

کتاب التقسیم والتشجیر کا شمار رازی کی مسلمہ کتابوں میں ہے، اس کی وضاحت بھی صاحب عیون نے کی ہے۔ اس کے طریق بیان کے بارے میں فرماتے ہیں۔

يذكر فيه تقاسيم الامراض واسبابها وعلاجها بالشرح والبيان على سبيل تقسيم وتشجير

الحاصل "الفاخر" اپنے مواد و مشمولات کے لحاظ سے صاحب عیون کی نگاہوں میں گو مفید و معتبر کتاب ہے، لیکن محمد بن زکریا کا، اس کا مصنف ہونا ان کے نزدیک مشکوک ہے۔

بزرگوں کی باتوں کا دائرہ اثر دھیرے دھیرے ایسا بڑھتا اور پھیلتا ہے کہ اس کی گرفت میں بعد کے اکابر بھی آجاتے ہیں، چنانچہ صاحب عیون کے اظہار شک و تردد نے دوسرے محققین کو بھی متاثر کیا، اور ان کی رائے بھی الفاخر کے انتساب میں تشکیکی ہو گئی۔

مثال کے طور پر میں اس موقع پر صرف ایڈورڈ جی، براؤن کا اسم گرامی پیش کرتا ہوں۔ انھوں نے عربین میڈیسین میں رازی کی مبسوط طبی کتابوں کی فہرست میں الفاخر کا ذکر کرنے کے بعد

[1] عیون الانباء فی طبقات الاطباء ج اول ص ۳۱۸۔

تحریر فرمایا ہے: "لیکن فاخر کے بارے میں یقین کے ساتھ یہ کہنا مشکل ہے کہ اس کا مصنف رازی ہی ہے" (طب العرب صفحہ ۶۶) مترجم کتاب مرحوم حکیم نیر واسطی نے بھی ڈاکٹر صاحب کی اس رائے کو بلا نقد و تبصرہ چھوڑ دیا ہے، ممکن ہے ان کی بھی یہی رائے ہو۔

تیسری روش :-

امین الدولہ ابن تلمیذ (المتوفی ۵۶۰ھ) ایک عظیم طبیب گذرا ہے، صاحب عیون نے اسکی شان میں لکھا ہے۔

اوحد زمانه في صناعة الطب وفي مباشرة اعمالها ويدل على ذالك ما هو مشهور من تصانيفه وحواشيه على الكتب الطبية[1]

ابن تلمیذ فن طب اور سرجری میں یکتائے زمانہ تھا، اس کی مشہور کتابیں اور طبی کتابوں پر اس کے حواشی کی شہرت اس کی عظمت پر شاہد عدل ہیں۔

اس نے یقین کے ساتھ الفاخر کو محمد بن زکریا رازی کی تصنیف قرار دیا ہے۔ صاحب عیون نے لکھا ہے۔

ولامين الدولة بن تلميذ حاشية على هذا الكتاب الفاخر وانه للرازي[2]

امین الدولہ نے الفاخر پر حواشی لکھے ہیں اور صراحت کی ہے کہ کتاب الفاخر رازی کی ہے۔

ایک دوسرے طبیب محمد حسن طبیب مقتدر باللہ بغدادی نے بھی لکھا ہے۔

[1] عیون الانباء فی طبقات الاطباء جلد اول صفحہ ۲۵۹ [2] عیون الانباء فی طبقات الاطباء جلد اول صفحہ ۳۱۸۔

ولہٗ کناش عجیبٌ فی تجاربہ	زکریا کی ایک عجیب کتاب اس کے
لکنہٗ قلیل الوجود الا ببغداد	تجارب پر مشتمل ہے، مگر قلیل الوجود ہے،
المحروسۃ (عیون الانباء ص ۳۱۸)	صرف بغداد میں ملتی ہے، اسکی مراد الفاخر سے ہے۔

ایک تیسرے شخص، مشہور زمانہ محقق دوراں، طبیب ہیں، علامہ نفیس بن عوض جن کی طبی شہرت وعظمت کا سکہ چھ صدیوں سے اطبائے روزگار میں رائج اور رواں دواں ہے۔ ان کی بھی قطعی اور بلا ریب رائے "الفاخر" کے بارے میں یہی ہے کہ یہ اہم کتاب محمد بن زکریا رازی ہی کی ہے، اس میں انھیں کوئی تردد وشبہ نہیں ہے۔

علامہ نفیس ابن عوض کی ایک کتاب اہم کتاب "شرح الاسباب والعلامات" ہے، جو ۸۲۷ھ میں لکھی گئی ہے، اس کتاب میں مسائل طب پر نہایت ہی محققانہ بحثیں ہیں، مصنف نے سوا سو سے زیادہ اکابر اطباء کی کتابوں اور رایوں سے استفادہ کیا ہے، اکابر کے نام اور کتابوں کی صراحت کا برابر خیال رکھا ہے، ارباب فن، مصنف اور کتاب کی عظمت سے خوب واقف ہیں، انھوں نے اس کتاب میں الفاخر کا ذکر بنام محمد بن زکریا رازی صرف جلد اول میں نو مقامات پر کیا ہے، تفصیل یوں ہے۔

جلد اوّل صفحہ ۱۶ قال الرازی فی الفاخر

" " ۳۵ ومحمد بن زکریا الرازی فی کناشہ المشہور بالفاخر

" " ۵۰ قال الرازی فی الفاخر

" " ۱۰۶ والرازی نقل منہ ھذا الکلام فی کناشہ المشہور بالفاخر

" " ۱۶۴ ونقل الرازی فی الفاخر

" " ۲۰۹ وقد ذکرہٗ الرازی فی الفاخر

جلد اوّل صفحہ ۲۱۵ ھٰکذا قال الرازی فی الفاخر

" " ۲۵۱ وکذالک قال الرازی فی الفاخر

" " ۲۵۳ لکنہٗ ذکر ھٰھنا عبارۃ الرازی فی الفاخر۔

یہ صفحات شرح اسباب مطبع یوسفی لکھنو مطبوعہ ۱۹۲۱ء کے ہیں، میرے پیش نظر یہی ہے۔ مصنف کا یہ طرز عمل الفاخر کو زکریا رازی کی تصنیف قرار دینے کے لئے کافی ہے۔

عصر حاضر کے محققین کی رائیں بھی علامہ نفیس کی ہمنوائی اور تائید میں ہیں۔

(۱) ڈاکٹر محمد زبیر صدیقی مرحوم نے فردوس الحکمۃ کے مقدمہ میں تحریر کیا ہے۔

ان ابابکر محمد بن زکریا الرازی تلمیذہ (علی بن ربن الطبری) وان کان قد سبقہ وبذہٗ فی الطب لم یزل یرد دصدی فردوس الحکمۃ فی بعض تالیفہ ویعترف من بحرہ ویستفید من متنہ ویشیر الی ما استفاد منہ بقولہ قال الطبری کما ھو فی کتاب الفاخر وکتاب الحاوی فقد استفاد فی الاول بالنقل من الباب الثالث والرابع للمقالۃ الثانیۃ فی النوع الرابع من فردوس الحکمۃ (مقدمہ فردوس الحکمۃ صفحہ ۱۵)

اس مقام پر ڈاکٹر صاحب مرحوم کا حاشیہ ملاحظہ ہو۔ لکھتے ہیں۔

Browne or. ms. P. 2. F.F. 57. a. 58. b. ھذا الکتاب لابی بکر زکریا الرازی لم یطبع الی الآن والنسخ القلمیۃ لہٗ ایضاً قلیلۃ الوجود جداً وانی وجدت ھذہ الاقتباسات فی نسخۃ پروفسور براؤن المرحوم وھو رحمہ اللہ اھدی کتبہ الخطیۃ الخ بینۃ الکتب

جامعۃ کیمبرج (حاشیہ فردوس الحکمۃ صہ ۱۵)

پوری عبارت کا خلاصہ یہی ہے کہ رازی نے اپنی کتاب الفاخر میں اپنے استاد ابن ربن طبری کی کتاب "فردوس الحکمۃ" کے بعض اقتباسات لئے ہیں، الفاخر کا خطی نسخہ ڈاکٹر براؤن کے پاس تھا، جس کو صدیقی صاحب نے برتا ہے، ڈاکٹر براؤن نے اس نسخہ کو کیمبرج یونیورسٹی کو ہدیہ کر دیا۔

اس موقع پر میرے ذہن میں یہ بات آرہی ہے کہ فردوس الحکمۃ پر صدیقی صاحب کا کل کام جب براؤن کے نگرانی میں ہوا ہے تو ضرور "الفاخر" کے انتساب والی عبارت مذکورہ براؤن کی نگاہوں سے گزر کر طبع ہوئی ہے، جو ارابین میڈیسن والی رائے کے خلاف ہے۔

ممکن ہے ۱۹۲۱ء کی براؤن کی رائے ۱۹۲۸ء میں بدل گئی ہو، اور الفاخر کے بارے میں صدیقی صاحب کی رائے بھی براؤن کی بدلی ہوئی رائے ہی کا چربہ ہو۔

(۲) ہندوستان کے غیر معمولی صاحب علم وفن اور صاحب تصانیف طبیب حکیم محمد اعظم خان رامپوری (المتوفی ۱۳۲۰ھ) نے بھی الفاخر کو محمد بن زکریا رازی کی کتاب قرار دی ہے، حکیم صاحب کی عظیم کتاب اکسیر اعظم جو ہزاروں صفحات پر چھپی ہوئی ہے اس کے دیباچہ میں ایک سو چھپن کتب ماخذ کی طویل فہرست میں تحریر فرماتے ہیں

وکتاب حاوی کبیر من لا یحضرہ الطبیب، وبرء الساعۃ، وشامل الادویہ، ومقالات وکناش فاخر ہمہ از محمد بن زکریا رازی۔ (دیباچہ اکسیر اعظم جلد اوّل صفحہ ۵)

(۳) ڈاکٹر محمود نجم آبادی (ایرانی مصنف) نے بھی اپنے رسالے میں رازی کی کل تصنیفات کی طویل فہرست دی ہے، اور ہر کتاب پر جدید معلومات کی روشنی میں مفصل تبصرے کئے ہیں،

وہ بھی تحریر فرماتے ہیں، "کتاب الفاخر فی الطب" اس میں سر سے پانوں تک کی تمام بیماریوں کا بیان ہے، اور قانون شیخ کی اکثر شرحوں میں اس کا نام آیا ہے۔ (حکمائے اسلام جلد اوّل صفحہ ۲۱۲ - مولفہ مولانا عبدالسلام ندوی)

(۴) ملا چلپی صاحب کشف الظنون (المتوفی ۱۰۶۷ھ) نے بھی الفاخر کا دو جگہ تذکرہ کیا ہے، پہلی مرتبہ "علم الطب" کے زیر عنوان "الکتب المولفۃ فیہ" کے ذیل میں لکھا ہے۔

ف - فصول بقراط وشروحہ — الفاخر - (جلد ثانی صہ ۱۹۴)

اس مقام پر گو بلا مصنف کے نام کے ذکر کیا ہے، لیکن مقام ذکر کی اہمیت کے اعتبار سے یہ قابل لحاظ ہے، دوسری مرتبہ جلد ثانی ہی میں صفحہ ۱۲۱۵ پر ذکر کیا ہے۔ تحریر فرماتے ہیں۔

الفاخر فی الطب۔ للفیلسوف الفاضل ابی بکر محمد بن زکریا الرازی (المتوفی ۳۱۱ھ احدی عشرۃ وثلثمائۃ)

(۵) اسماعیل پاشا بغدادی مصنف ہدیۃ العارفین ضمیمہ کشف الظنون نے بھی جلد سادس صفحہ ۲۷ پر بعنوان الرازی، اس کا مفصل تذکرہ کیا ہے، اور الفاخر فی الطب کو رازی کی تصانیف میں شمار کیا ہے۔

الفاخر کے حجم وضخامت اور تعداد جلد کے لحاظ سے درج ذیل معلومات حاصل ہوئیں۔

(۱) حکیم عبدالحمید صاحب دہلوی متولی ہمدرد دہلی کا نسخہ صرف ایک مجلد ہے، صفحات کی تعداد ۳۵۰ تقریباً کہہ سکتا ہوں، اس لئے کہ اس کو دیکھے ہوئے بہت دن ہوگئے، اسوقت کوئی نوٹ نہیں لے سکا، اور نہ اس کی حاجت سمجھ میں آئی تھی۔

(۲) صاحب شرح الاسباب والعلامات علامہ نفیس بن عوض کے پیش نظر صرف ایک جلد ہے، جو امراض راس سے لیکر امراض معدہ کو حاوی ہے۔

میری رائے ہے کہ ان کو صرف یہی حصہ کتاب خطی نسخے کا ملا ہے، شرح اسباب جلد ثانی پوری سطروں کی سطریں دیدہ ریزی سے دیکھ ڈالیں مگر دوسرے حصے میں کہیں الفاخر کا ذکر نہیں ملا، پھر خیال آیا کہ علامہ نفیس کی معرکۃ الآرا کتاب "نفیسی" کا جائزہ لوں، اس کتاب کو شرح الاسباب و العلامات کے بعد علامہ نے تصنیف کیا ہے، جس کی صراحت معالجات نفیسی صفحہ ۲۰۲ پر انھوں نے ان الفاظ میں کی ہے "وادلۃ الفریقین واجوبتھما مذکورۃ فی شرح الاسباب و العلامات"

چنانچہ میں نے مطبوعہ نولکشور نفیسی، کلیات و معالجات کے ہزار سے اوپر صفحات کی سطر خوانی نہایت جگر کاوی سے کی مگر اس میں الفاخر کا کہیں بھی سراغ نہیں ملا، تب میں نے وہ رائے قائم کی جس کا اوپر ذکر کیا ہے۔

(۳) ڈاکٹر محمود نجم آبادی نے صراحت کی ہے کہ الفاخر کے قلمی نسخے کتب خانہ لینن گراڈ (روس) کتب خانہ شہید علی پاشا (استنبول)، اور کتب خانہ آقا حسین ملک (ایران) میں ہیں، ملک کے کتب خانہ کا نسخہ ۳۰۲ صفحوں میں ہے، اور ہر صفحے میں ۲۵ سطریں ہیں، اس کتاب کے دو حصے ہیں، اس کا دوسرا حصہ برلن کے سرکاری کتب خانہ میں موجود ہے، (حکمائے اسلام جلد اول صفحہ ۳۱۲ مولانا عبد السلام ندوی

(۴) مگر علامہ حلبی نے لکھا ہے کہ

وهو مجلدٌ ـــــ اوله	یہ صرف ایک جلد ہے، جس کی ابتدا یہ ہے
الحمد لله رب العلمين الخ	الحمد لله رب العلمين سے الخ

ممکن ہے کہ انکی دسترس میں علامہ نفیسی کی طرح یہی ایک حصہ رہا ہو مشمولات الفاخر کے لیے صرف تین چیزیں پیش کر سکتا ہوں۔

(۱) علامہ حلبی کی صراحت

"ذكر انه جمع فيه آراء الفلاسفة فيما ينفع ويضر من الادوية والاغذية واضاف الى ذالك آراء المحدثين والمتقدمين في الصنعة على نحو ما وردت بمصنفاتهم من عوارض ما يلحق الانسان من الفرق الى القدم ليكون دستوراً يرجع اليه ورتبه على ستة وعشرين باباً" (کشف الظنون۔ جلد ثانی صفحہ ۱۲۱۵)

مگر لفظ ذکرہ سے مجھے شبہ ہوتا ہے کہ حلبی نے مندرجات کا خود مطالعہ نہیں کیا ہے، اس کی عبارت منقولہ میں "من الفرق الى القدم" کے الفاظ واضح کرتے ہیں کہ تصنیفی اعتبار سے کتاب مکمل ہے۔ صرف امراض معدہ تک نہیں ہے، اس کی تائید ڈاکٹر محمود نجم آبادی کے حوالوں سے بھی ہوتی ہے۔

(۲) صاحب عیون الانبا ر نے الفاخر کے مشمولات کے بارے میں جو صراحت کی ہے اس کو نقل کر چکا ہوں

(۳) الفاخر چونکہ میری دسترس سے باہر ہے اس لئے میں نے اس کی عبارتوں کے نمونے پیش کرنے کے لیے علامہ نفیس بن عوض کے خوان کرم سے ریزہ چینی کی اور علامہ نے شرح الاسباب والعلامات میں الفاخر کی جو عبارتیں استشہاد کے لیے نقل کی ہیں، انھیں ہی بحوالہ صفحات ہدیۂ ارباب فن کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں، اس وقت میرا قلب علامہ نفیس کے لیے جذبات تشکر سے لبریز ہے، جزاهم الله خير الجزاء۔

الفاخر کی عبارتیں جو شرح اسباب میں منقول ہیں۔

قال الرازي في الفاخر ويلزمه شدة ضربان الاصداغ لما ان الطبيعة تروم نقض تلك الابخرة وتنقية الروح منها

فتنبض الشرائين و تتحرك حركة شديدة مستكرهة كذالك

(شرح الاسباب والعلامات جلد اول ص۱۰۷ بحث امراض راس زیر عنوان و

قد يكون الصداع من رياح غليظة)

(۲) وصنعته على ما قال الرازي في الفاخر ان يوخذ عند المغرب لبن

معز حمراء فتية صحيحة ولدت من اربعين يوماً او اكثر من ذالك

بيسير قد علفت بالخيار والكزبرة الرطبة والخس وورق

بزر قطونا ويغلى في قدر برام غلية شديدة ثم ينزل

عن النار ويصب على كل رطلين ثلث رطل من السكنجبين الصادق

الحموضة او ماء الحصرم ويحرك بقضيب رطب من شجر التين

مرضوض ماخوذ لحاوه ليتعلق بماء الجبن من اللبنية والنبوعية

التي في الخشب قوة تعينه على الاسهال حتى يتجبن ثم يلقى في

كرباس صفيقة ويعلق حتى يصفو ويسيل منه الماء ثم يصفى من

الغد ويغلى ويخرج رغوته فاذا انقطعت الرغوة يصفى ويشرب

مع السكنجبين (شرح الاسباب والعلامات جلد اول ص۵۲ زیر عنوان

دوار بحث امراض راس)

(۳) لان ابن سرابيون ذكر في كناشه ان الدماغ مقسوم بقسمين

يفرق بينهما خط مستوى ليكون مضاعفا حتى اذا الم منه جانب

بقي الجانب الآخر على صحته كالعينين والاذنين ووعائي الصدر والخصيتين

وما اشبه ذالك ـ والرازي نقل منه هذا الكلام في كناشه المشهور

بالفاخر (شرح الاسباب والعلامات جلد اول صفحہ ۱۰۶) بحث

امراض راس۔

(۴) نقل الرازي في الفاخر عن ابن سرافيون ان في هذا النوع

من الجرب تحدث في جفن العين ثقب يشبه الثقب الكائنة

في اسافل القصب من التين ولذا سمي به فعلى هذا يكون التينى

بالباء منقوطة بواحدة لكن الاسم اليوناني يخالف هذا القول

(شرح الاسباب والعلامات جلد اول ص۱۳۳) امراض چشم بحث جرب

(۵) قال الرازي في الفاخر وسببه ان مادة السرسام والبرسام

حارة لطيفة سريعة التحليل فاذا انصبت الى اللسان و

هو عضو سخيف متخلخل مستعد لان تحلل ما فيه بسرعة

تحلل لطيف المادة وصار الباقي صلباً غليظاً غير مستعد للا

ستفراغ ويزداد يوماً فيوماً ويعين على ذالك ايضا حرارة

موضعه فيتحجر ويبقى على ذالك بخلاف البلغم (شرح الاسباب

والعلامات جلد اول ص۳۱۵) امراض اللسان والعينين والفم)

کتاب الفاخر کے تعارف اور اس کی افادی قدر و قیمت کے اندازہ کے لیے میری یہ

چند سطریں ان شاء اللہ کافی ہوں گی۔ مذکورہ بالا تفصیلات کی بنا پر میں اس نتیجہ پر پہونچا کہ الفاخر

واقعی رازی ہی کی تصنیف ہے،

خاتمہ کلام پر میں اپنی اس آرزو کا اظہار ضروری سمجھتا ہوں کہ اے۔ کاش!

الفاخر طباعتی لباس فاخرہ سے مزین و مرصع ہو کر سامنے آجاتی ہے، اس کے مطالعہ سے

میرے دیدہ و دل منور و شادکام ہو جاتے !!!

جس طرح رازی کی الحاوی نے دائرۃ المعارف العثمانیہ کی کاوشوں کے نتیجہ میں زیور طبع سے آراستہ ہونے کے بعد ارباب طب و حکمت کی دنیا میں نئی روشنی پیدا کر دی، الفاخر کی روشنی اس میں مزید اضافے کا سبب بن جاتی، فوشا علی نور۔

الفاخر کے بارے میں مکرمی اوصاف علی صاحب زید کرمہ کا معلوماتی گرامی نامہ بعد شکریہ ہدیۂ ناظرین ہے۔

اس خط سے قبلہ حکیم عبدالحمید صاحب دہلوی کی ان مساعی جمیلہ پر بھی روشنی پڑتی ہے، جو طب یونانی کی ترقی و بقا کے لیے انھوں نے ہر لحاظ سے جاری کر رکھی ہے، ان کی یہ ہمت خداداد ہے، اس میں ان کا کوئی شریک و سہیم نہیں ہے، اللہ تعالےٰ ان مساعی کو قبول فرمائیں آمین!

انڈین انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز، تغلق آباد، نئی دہلی

۹ مارچ ۱۹۸۶ء

مکرمی جناب مولانا حسینی صاحب! السلام علیکم

۲ فروری کا عنایت نامہ ملا، کتاب الفاخر کے متن کی چھان بین میں جو دقتیں پیش آئیں ان سب کا ذکر بہت طویل ہو جائے گا۔ مختصراً یہ عرض کروں کہ ڈاکٹر زبیر صدیقی مرحوم نے جو مائیکرو فلم عنایت کیا تھا، اس کی فوٹو کاپی نکلوا کر ہم نے ایک صاحب کو اس کتاب کے مختلف نسخوں کی مدد سے ایڈیٹنگ کے لیے لگایا تھا، ان کی کئی مہینے کی محنت رائیگاں گئی کیونکہ ان کے حافظے نے پوری طرح پذیرائی نہیں کی اور وہ کئی بار یہ بھول گئے کہ اصل متن کس نسخے سے اخذ کرنا ہے، جب ہمنے ان کے ایڈٹ کئے ہوئے مسودے کی تصحیح شروع کی تو یہ معلوم ہوا کہ جو مائیکرو فلم پروفیسر زبیر صدیقی مرحوم اڈورڈ براون سے لائے تھے، وہ بہت بعد کے نسخے سے تیار ہوا تھا، اس

قدیم ترین نسخے کی نشاندہی فواد سزگین نے قریب دس برس پہلے کی، یہ نسخہ ترکی میں ہے، اس نسخے کی مائکرو فلم حاصل کرنے کے لئے سات برس تک بھاگ دوڑ کرنی پڑی۔ کافی دقت اور پیسہ خراب ہوا۔ بالآخر گذشتہ برس حکومت ترکی نے بہت شرائط کے بعد اور ہمارے یہاں کے بہت سے مائیکرو فلم تبادلے میں وصول کرنے کے بعد ہی کتاب الفاخر کا مائیکرو فلم دیدیا اب یہ مائیکرو فلم مع دوسرے نسخوں اور مرحوم زبیر صدیقی صاحب کے مائیکرو فلم کے ایک عربی کے عالم کے پاس ہے اور وہ اس پر یکسوئی سے کام کر رہے ہیں، کتاب بہت طویل ہے۔ اس لئے مدت بھی طویل ہوگی، میرے پاس اس وقت کوئی چیز نہیں ہے، جس کی مدد سے آپ کو تعداد صفحات بتا سکوں یا اول و آخر کے اوراق کی تصویر بھیج سکوں۔ اگر آپ لکھدیتے کہ آپ مطلوبہ مواد کو کس طرح استعمال کرنا چاہتے ہیں، تو بہتر ہوتا۔

امید ہے جو صورت حال میں نے اوپر لکھی ہے۔ اس سے آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ کام کس [illegible] ہے۔

والسلام

اوصاف علی - (ڈائریکٹر)

سیرۃ النبی جلد سوم

سلسلۂ سیرۃ النبی کی اس جلد میں پہلے مقدمہ ہے، جس میں نفس معجزہ کی حقیقت اور اس کے امکان و وقوع پر فلسفۂ قدیم، فلسفۂ جدیدہ، علم کلام اور قرآن مجید کی روشنی میں مفصل بحث و تبصرہ ہے، اس کے بعد خصائص نبوی، یعنی مکالمۂ الٰہی، وحی، نزول، ملائکہ، عالم رویا، شرح صدر، اور معراج کا بہت مفصل بیان ہے۔ پھر ان آیات و معجزات کی تفصیل ہے، جن کا ذکر قرآن مجید میں ہے، پھر وہ ہیں، جو مستند روایات سے ثابت ہیں، پھر معجزوں کی غیر معتبر روایات پر تنقید اور آخر میں خصائص محمدی کا باب ہے۔

مولفہ

سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ۔

قیمت :- ۵۵ روپیے،

مطبوعات جدیدہ

زمخشری کی تفسیر الکشاف ایک تحلیلی جائزہ

مرتبہ پروفیسر فضل الرحمٰن صدر شعبہ دینیات (سنی) مسلم یونیورسٹی، تقطیع کلاں، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، صفحات ۵۰۶، مجلد مع گردپوش، قیمت درج نہیں، پتہ۔ دینیات فیکلٹی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ۔

کلامی طرز کی تفسیروں میں علامہ زمخشریؒ کی الکشاف اور امام رازیؒ کی تفسیر کبیر زیادہ مشہور اور اہم ہیں، ان دونوں کے بعد اس نہج پر جو تفسیریں لکھی گئی ہیں وہ یا تو انہی سے ماخوذ ہیں یا ان کا اختصار و التقاط ہیں، زمخشری کی تفسیر معتزلی مکتب فکر و خیال کی حامل ہونے کے باوجود نحو، عربیت اور معانی و بلاغت کے لحاظ سے تفسیری ذخیرہ میں بہت ممتاز خیال کی جاتی ہے، زیر نظر کتاب میں اس تفسیر کا مفصل جائزہ لے کر اسکی اہمیت و خصوصیت دکھائی گئی ہے اور اس کے مختلف پہلوؤں کو نمایاں کیا گیا ہے، یہ کتاب اصلاً وہ تحقیقی مقالہ ہے، جس پر ۱۹۸۱ء میں مصنف کو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری ملی تھی، یہ ایک مبسوط مقدمہ چار ابواب اور اختتامیہ پر مشتمل ہے، مقدمہ میں اشیا کے معانی کی تعبیر کے تین لفظوں معنی، تفسیر، اور تاویل کے لغوی و اصطلاحی مفہوم کی وضاحت کر کے ان کا باہمی فرق بتایا ہے، اور بعض حیثیتوں سے تینوں کے درمیان اشتراک و یکسانیت بھی دکھائی ہے، پھر فن تفسیر کی ضرورت، ابتدا، ارتقا اور اس کی تدوین پر بقدر ضرورت بحث کی ہے، اس سلسلہ میں اس دور کے تفسیری کاموں اور کوششوں کا جائزہ لیا ہے، جب تفسیر نے باقاعدہ فن کی شکل اختیار نہیں کی تھی، یعنی عہد رسالت و صحابہ اور تابعین و تبع تابعین کے دور کے طریقۂ تفسیر کی خصوصیات واضح کی ہیں، اس کے بعد فن تفسیر کے باقاعدہ آغاز سے لیکر زمخشری کے عہد سے قبل تک کے

تفسیری رجحانات و میلانات پر بحث کی گئی ہے، اس ضمن میں تفسیر بالماثور اور تفسیر بالرائے والاجتہاد کے علاوہ لغوی، قصصی، نقلی، باطنی، صوفیانہ، فلسفیانہ اور متکلمانہ نقطۂ نظر اور مختلف فرقوں کے خیالات پر مشتمل تفسیروں کی خوبیوں اور خامیوں کا تذکرہ کیا ہے، پہلے باب میں اعتزال کی تاریخ اور اس کے عہد بعہد ارتقا کا جائزہ لیا ہے اور علامہ زمخشریؒ کے حالات و کمالات تحریر کئے ہیں، اس میں ان کی مطبوعہ مخطوطہ اور نایاب کتابوں کی فہرست دی ہے، مطبوعات کے مختلف ایڈیشنوں اور مقام اشاعت کا ذکر اور مخطوطات کے متعلق اس کی صراحت کی ہے کہ وہ کن کتبخانوں میں موجود ہیں، دوسرا باب معتزلہ کے پانچ بنیادی اصولوں کی وضاحت کے لیے مخصوص ہے، اس میں توحید، عدل، وعد و وعید، المنزلۃ بین المنزلتین اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی حقیقت اور ان کے مقتضیات و مضمرات بیان کئے ہیں۔ اور مثالوں سے بتایا ہے کہ زمخشری نے ان کو کس طرح اپنی تفسیر میں پیش کیا ہے، اور اس سلسلہ میں انھوں نے کیا انداز اختیار کیا ہے، مصنف کے نزدیک کشاف کی تالیف کے دو بنیادی مقاصد ہیں، مسلک اعتزال کی حمایت و خدمت اور قرآن کی فصاحت و بلاغت کے دقائق کی وضاحت، پہلے مقصد کی توضیح دوسرے باب میں اور دوسرے مقصد یعنی اعجاز قرآن کی حقیقت کی دریافت اور اس کی لطافتوں کی پردہ کشائی تیسرے باب میں کی گئی ہے، اس میں اعجاز قرآن کا تاریخی پس منظر بیان کر کے زمخشری کے اعجاز قرآن کے عقیدہ و وجوہ پر بحث کی ہے اور اس حیثیت سے انہیں ایک نئے تفسیری رجحان کا بانی بتایا ہے، لائق مصنف نے کشاف سے بلاغت، معانی، بیان اور بدیع وغیرہ کے استعمال کی مثالیں پیش کر کے زمخشری کے کام کی قدر و قیمت واضح کی ہے اور یہ بتایا ہے کہ انھوں نے عبدالقاہر جرجانی کے اصولوں کو اپنی تفسیر قرآن میں منطبق بھی کیا ہے، اور ان پر اضافے بھی کئے ہیں۔

چوتھے باب میں تفسیر بالماثور اور عقلی رجحان کے تعلق سے کشاف کے بارہ میں بعض غلط فہمیوں کا ازالہ کیا گیا ہے، اختتامیہ میں کشاف کا تنقیدی جائزہ لیکر اس کے بعض کمزور پہلوؤں کی نشاندہی کی ہے، مگر زمخشری کے اعتزال کی وجہ سے اس سلسلہ میں مصنف کا رویہ کہیں کہیں ان کے بارہ میں غیر جانبدارانہ نہیں رہا ہے،

اختتامیہ میں کشات کی تحسین و منقصت پر مشتمل اہل فن کی رائیں بھی نقل کی ہیں، اور اس پر شروع سے ابتک ہونے والے کاموں کا تذکرہ بھی کیا ہے، یہ کتاب نہایت محنت و تحقیق اور بڑی کد و کاوش سے لکھی گئی ہے، جس کے لیے لائق مصنف مبارکباد کے مستحق ہیں۔

یادگار سلیمان:- مرتبہ- پروفیسر عبدالقوی دسنوی صاحب، متوسط تقطیع، کاغذ، کتابت و طباعت عمدہ، صفحات ۲۵۶، قیمت ۲۵-۰۰ روپے، پتے (۱) بہار اردو اکاڈمی ۸۰ سری کرشن پوری پٹنہ۔ (۲) مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی۔ (۳) انجمن ترقی اردو بک ڈپو، اردو گھر راؤز ایونیو، نئی دہلی۔

بہار اردو اکاڈمی نے دسمبر ۱۹۸۴ء میں علامہ سید سلیمان ندویؒ کے صد سالہ یوم ولادت کے موقع پر جو شاندار سمینار منعقد کیا تھا، یہ کتاب اسی موقع پر شائع ہوئی تھی، یہ دراصل سید صاحبؒ کے مختصر حالات و واقعات، ان کے مضامین و تصنیفات، مقدمات و مکتوبات کے علاوہ ان پر لکھی جانے والی دوسرے اہل قلم کی تصنیفات اور تحریروں کا اشاریہ ہے، جس کو اشاریہ نگاری کے تجربہ کار ماہر اور سید صاحبؒ کے خاص عقیدت کیش و ہم وطن پروفیسر عبدالقوی دسنوی صدر شعبہ اردو سیفیہ کالج بھوپال نے بہت شوق، محنت اور سلیقہ سے مرتب کیا ہے، پہلے انھوں نے مولانا سید سلیمان ندویؒ سے اپنی عقیدت و تعلق کی سرگزشت بیان کی ہے نیز ان کے وطن دیسنہ کی مختصر تاریخ، اہل دیسنہ کے علمی و ادبی ذوق اور کتب خانہ الاصلاح دیسنہ کے بارہ میں معلومات تحریر کئے ہیں، اس کے بعد ابتدا سے وفات تک کے حالات و واقعات اور سید صاحبؒ کے گوناگوں علمی، دینی، قومی، ملی اور تحقیقی و تصنیفی کارناموں کا ذکر تاریخ کے تعین سے کیا ہے، پھر مختلف رسائل و اخبارات میں چھپنے والے سید صاحبؒ کے مضامین و مقالات کا اشاریہ دیا ہے، لائق مرتب نے رسالوں کے مہینوں اور سنین کی تصریح بھی کردی ہے، سید صاحب نے جن کتابوں پر مقدمے اور دیباچے لکھے تھے، ان کا ذکر بھی کیا ہے، اور ان رسالوں کے نام بھی لکھے ہیں، جن میں سید صاحب کے مکتوبات

و منظومات شائع ہوئے ہیں، آخر میں سید صاحبؒ کی مصنفات و مطبوعات کی فہرست دی ہے اور ان کے سن اشاعت اور مطبع کے نام بھی لکھے ہیں، "سلیمان نما" میں ان مضامین، کتب اور مکاتیب کا ذکر ہے، جو دوسروں نے سید صاحب پر یا ان کو لکھے تھے، آخر میں "تبرکات" کے زیر عنوان ان مضامین نظم و نثر کا ذکر ہے، جو حضرت سید صاحبؒ نے بالکل ابتدائی دور اور طالب علمی کے زمانہ میں لکھے تھے، سید صاحبؒ کی چند تصویروں کے عکس بھی دیے گئے ہیں، اس طرح یہ کتاب سید صاحب کے حالات و سوانح اور علمی کارناموں کا اجمالی مرقع اور ان کے مضامین و کتب کا بڑی حد تک مکمل اشاریہ ہے، جو بڑی خوش مذاقی سے مرتب کی گئی ہے اور بہت خوشنما چھپی ہے، اس سے سید صاحبؒ پر کام کرنے والوں کو بڑی مدد ملے گی، لیکن حضرت سید صاحبؒ کی نگارشات کا دائرہ اردو ہی تک محدود نہ تھا بلکہ وہ عربی میں بھی مضامین لکھتے تھے اور ان کے اردو مضامین کے عربی اور انگریزی میں ترجمے بھی کئے گئے ہیں، اس اشاریہ میں نہ عربی و انگریزی مضامین و کتب کا کوئی ذکر ہے، اور نہ دیباچہ میں اس کی صراحت ہے کہ یہ صرف ان کی اردو تحریروں ہی کا اشاریہ ہے، اس اشاریہ میں متعدد اخباروں میں چھپنے والے مضامین کا ذکر بھی ہے، لیکن اس زمانہ کے مشہور سہ روزہ اخبار مدینہ بجنور کا کہیں حوالہ درج نہیں ہے حالانکہ اس میں سید صاحب کے مضامین چھپتے اور نقل ہوتے تھے، اور ان کے بارہ میں دوسرے اہل قلم کے مضامین بھی شائع ہوتے تھے، "حیات شبلی" پر جناب آل احمد سرور کے تبصرے کا بھی اس میں کوئی ذکر نہیں ہے، سید صاحب کی تصنیفات میں مقالات سلیمان جلد سوم کا ذکر بھی رہ گیا ہے، جو ۱۹۷۱ء میں دارالمصنفین سے چھپی تھی، جن رسالوں کا اشاریے میں ذکر ہے ان کے اڈیٹروں کا نام بھی درج کر دیا جاتا تو زیادہ بہتر ہوتا، ص ۱۴۳ پر ریاض کراچی کے حوالہ سے مولانا مناظر احسن گیلانی مرحوم کا جو اقتباس نقل کیا گیا ہے، اس میں ایک شخص کا نام کہیں سید محمد جان اور کہیں سید جان محمد لکھا ہے، یہ غلطی اصل میں بھی ہے، لائق مرتب کو اس کی تصحیح کر دینی چاہیے تھی، ص ۶۳ پر انگلستان کے وفد کے تین ارکان میں ایک نام مولوی سید حسین لکھا ہے، یہ صرف سید حسین کے نام سے

مشہور ہیں، جو مولوی نہ تھے بلکہ خالص انگریزی داں تھے، صلا۹ پر الضیاء کے اڈیٹر کا نام مولانا مسعود عالم ندوی کے بجائے مسعود علی ندوی لکھا ہے۔ سید صاحب پر شاہ معین الدین احمد ندوی مرحوم کے شذرات کا ماہ دسمبر ۵۳ء دیا ہے گو اس ماہ کے شذرات میں بھی ان کا تذکرہ ہے مگر اصلاً سید صاحب پر ماتمی شذرات دسمبر ۵۳ء میں چھپے تھے۔ صلا۱۶۲ پر شعر العجم پر جس تنقیدی مضمون کا ذکر ہے، وہ علامہ اور ڈاکٹر محمد اقبال کے بجائے لاہور ہی کے شیخ محمد اقبال کا ہے، اسی طرح صلا۱۶۰ پر مولانا محمد علی کا ذکر ہے، اس سے مراد مولانا محمد علی لاہوری ہیں، لیکن اشاریہ نگار نے ان کا جس انداز سے ذکر کیا ہے، اس سے ان کے بجائے مولانا محمد علی جوہر کی جانب ذہن منتقل ہوتا ہے، صلا۲۱۰ پر مولانا اسلم جیراجپوری مرحوم کے ایک مضمون کے لیے مئی ۱۹۵۵ء کے معارف سلیمان نمبر کا حوالہ دیا ہے، یہ غلط ہے، ان کا کوئی مضمون اس نمبر میں نہیں چھپا ہے۔ اس کتاب میں کتابت کی کچھ غلطیاں بھی ہیں۔ مثلاً

صفحہ	غلط	صحیح	صفحہ	غلط	صحیح	صفحہ	غلط	صحیح
۱۳۳	مساوات نصبی	مساوات نسبی	۱۵۰	تمریبی	تشریبی	۱۶۳	متعلق سے	تعلق سے
۱۶۳ و ۱۶۴	فتوۂ تکفیر	فتوی تکفیر	۱۶۶	اولیاء اللہ ہیں	اولیا ہیں	۱۶۶	بلاد معبر و طیبار	بلاد معبر و ملیبار
۱۶۵	نسیم الکلام میں تمریعہ	نسیم الکلام من تشریعہ	۱۶۴	حضرت انبیاء	حضرات انبیاء	۱۸۴	ہندوستان کی اصلیت	ہندوستانی کی اصلیت
۲۰۱	سفر واپسی کے بعد	سفر سے واپسی کے بعد	۱۳۱ و ۱۳۴	اغراض	اغراض	۲۱۷	محمد ادریسی	محمد ادریس

امید ہے کہ آئندہ اڈیشن میں ان فروگذاشتوں کو درست کر لیا جائے گا۔

ان سے کتاب کی قدر و قیمت میں کوئی فرق نہیں آتا، مجموعی حیثیت سے یہ اشاریہ سلیمانیات کا بہترین رہبر ہے۔ "ض"

سلسلۂ مذہبی رواداری

تاریخ ہند کا سلسلہ اب تک اٹھائیس کتابوں تک پہنچ چکا ہے، اسی ضمن میں ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کی مذہبی رواداری کا بھی ایک سلسلہ ہے، جو تین جلدوں پر مشتمل ہے،

جلد اوّل اس میں مغل دور سے پہلے کے مختلف خاندانوں کے مسلمان حکمرانوں مثلاً محمد بن قاسم محمود غزنوی شہاب الدین غوری، علاء الدین خلجی محمد بن تغلق وغیرہ کی مذہبی رواداری وطن دوستی کے واقعات پیش کئے گئے ہیں قیمت ۴ روپے

جلد دوم۔ اس میں مغل فرماں روا بابر، ہمایوں، سوری خاندان کے حکمراں، شیر شاہ، اسلام شاہ، پھر مغل شہنشاہ اکبر، جہانگیر، شاہجہاں کی مذہبی رواداری وغیرہ کے دلچسپ واقعات قلمبند کئے گئے ہیں قیمت ۶ روپے

جلد سوم ہندوستان کے مغل عہد کے مشہور مورخ سر جدو ناتھ سرکار کی کتاب کا جواب خود ان کی کتاب کے حوالوں سے اس طرح پیش کیا گیا ہے، کہ اورنگزیب عالمگیر اور اس کے بعد کے مغل بادشاہوں کی مذہبی رواداری وغیرہ کی تفصیلات آگئی ہیں، مولانا شبلی کی مضامین عالمگیر، اور مولانا سید نجیب اشرف صاحب ندوی مرحوم کی مقدمہ رقعات عالمگیر کے بعد اورنگ زیب عالمگیر پر دوسری اہم اور بڑاز معلومات کتاب جس میں اس کے پورے پچاس سالہ عہد حکومت و فرمانروائی کی پوری تاریخ آگئی ہے، **قیمت: ۳۵ روپے**،

اسلام کی مذہبی رواداری:- اس میں مستند حوالوں سے مذہبی رواداری، غیر مسلم رعایا کے ساتھ سلوک اور ذمیوں کے حقوق کے متعلق مذہب اسلام کی تعلیمات، اور ان پر مسلمانوں کے عمل کا نمونہ پیش کیا گیا ہے، (زیر طبع)

مرتبہ

سید صباح الدین عبدالرحمن